مذہب بمقابلہ مذہب

ڈاکٹر علی شریعتی

مذہب مذہب کے خلاف

ڈاکٹر علی شریعتی

موضوع	مذہب، مذہب کے خلاف
تصنیف	ڈاکٹر علی شریعتی
مترجم	حسین نصر اللہ
کتابت و سرورق	یوسف
سن اشاعت	مئی، ۲۰۱۹

فہرست:

ڈاکٹر علی شریعتی پر ایک سرسری نگاہ

۲۲نومبر،۱۹۳۳عیسوی:	ولادت
۱۹۴۰:	پرائمری اسکول میں داخلہ
۱۹۴۶:	مشہد کے فردوسی نامی سکنڈری اسکول میں داخلہ
۱۹۴۸	نشر حقائق اسلامی کے مرکز میں داخلہ
۱۹۵۰	مشہد کے ابتدائی ٹریننگ اسکول میں ورود
۱۹۵۲	ابتدائی ٹریننگ اسکول سے فراغت اور مشہد کے ادارہ فرہنگ میں ملازمت۔ طلباء کی اسلامی انجمن کی بنیاد ڈالنا، قوام السلطنہ کی عارضی حکومت کے خلاف مظاہروں میں شرکت اور مختصر عرصے کی گرفتاری
۱۹۵۳	قومی مقاومتی تحریک میں رکنیت
۱۹۵۴	ادبیات میں ڈپلما کا حصول اور کاشف الغطا کی ہمدون میں اعلیٰ اخلاقی نمونے نامی کتاب کا ترجمہ
۱۹۵۵	"ابوذر غفاری" اور "تاریخ تکامل فلسفہ" کی کتابوں کی اشاعت اور "مشہد" کے دانشکدہ ادبیات میں ورود

۱۹۵۷	مشہد میں مقاومتی تحریک ۱۶ ارکان کے ساتھ ان کی گرفتاری
۱۹۵۸	اعلیٰ درجہ میں دانشکدہ ادبیات فارغ التحصیل، ۳۱ جون اپنی کلاس فیلو (بی بی فاطمہ شریعت رضوی) سے عقد
۱۹۵۹	ہائر گریڈ کے حصول کی بناپر حکومتی وظیفہ کے ساتھ فرانس روانگی پہلے بیٹے "احسان" کی پیدائش الجزائر کی تنظیم آزادی سے الحاق
۱۹۶۰	بیوی اور بچے کو اپنے ساتھ فرانس لے جانا الجزائر کی آزادی کی راہ میں اپنے مبارزات کے سبب پیرس میں اسیر ہونا
۱۹۶۱	تحریک آزادی، نشریات ایران آزاد اور ایرانی طلباء کی کنفیڈریشن کے ساتھ تعاون
۱۹۶۲	والدہ محترمہ کی وفات دوسری اولاد "سوسن" کی پیدائش الجزائر کے نجات دہندہ محاذ سے وابستہ، اُس ویسٹ انڈیزی الاصل انقلابی لکھاری "فانون" کے افکار سے آشنائی کہ جس نے "زمین کے دوزخی لوگ" نامی شہرہ آفاق کتاب لکھی۔ ژال پال سارتر سے شناسائی
۱۹۶۳	تیسرے فرزند "سارا" کی پیدائش فارغ التحصیل اور تاریخ کے سبجیکٹ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کا حصول اور سماجیاتی کلاسوں کے مرحلے سے گذرنا
۱۹۶۴	ایران واپسی اور سرحد پر گرفتاری اور "قزل قلعہ" نامی زندان میں منتقلی نوکری کے انتظار کا اختتام اور ایک دفعہ پھر ادارہ فرہنگ میں تقرر
۱۹۶۵	درسی کتابوں کی جانچ اور اس کے ماہر کے عنوان سے تہران میں منتقلی

۱۹٦٦	دانشگاہ مشہد میں شعبہ تاریخ کے اسسٹنٹ پروفیسر
۱۹٦۸	دانشگاہوں اور حسینیہٗ ارشاد (اسلامی ثقافتی مرکز) میں اس کی تقریروں کا آغاز "مشہد کی اسلام شناسی" سے وابستہ کتابوں کی اشاعت، جو اس کے چھپے ہوئے آثار کے مجموعے میں ۳۰ویں نمبر پر "از ہجرت تا وفات" کے عنوان سے ہے
۱۹۷۱	چوتھے فرزند "مونا" کی پیدائش
۱۹۷۲	حسینیہٗ ارشاد کی بندش اور اس کی تقریروں کی ممانعت
۱۹۷۳	ساواک کا تعاقب اور ۱۸ مہینے قید تنہائی میں رہنا
۱۹۷۵	نظر بندی اور تہران و مشہد میں سخت زندگی کا آغاز
۱۹۷۷	یورپ میں ہجرت اور وفات

تمہید

پانی جب اپنے منبع سے پھوٹتا ہے تو وہ اس وقت مطہر ہوتا ہے۔ خود بھی نتھرا ہوا اور دوسری چیزوں کا بھی تزکیہ کر سکتا ہے۔ فطری قانون اور الٰہی سنت کے مطابق جو شئ خود نجس ہو وہ دوسروں کی تطہیر نہیں کر سکتی۔ اب یہ فکری آلودگی ہو یا اجتماعی، سیاسی خبائث ہوں یا فلسفی ناقص دلائل، تعلیمی نظام کے مفاسد ہوں یا ثقافتی رجس اور یا وہ پلیدیاں ہوں جو سماج، انسان اور تہذیب پر اپنے اثرات چھوڑتے ہیں۔ یہ سارے مجموعے جب اپنے آپ مفلوج ہوں تو ان سے کوئی تحریک نہیں پھوٹ سکتی ہے۔ امت، قوم، معاشرہ، حزب اور انسان ان کے سبب بے حس ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کا "ہونا" نہ ہونے کے مساوی ہے۔ ان کے جسم تو حاضر رہتے ہیں لیکن دل اور عقلیں غائب۔ ان کا وجود "میتٌ بین الاحیا" کا تمثل ہوتا ہے۔

اسی طرح پانی اپنے مخزن سے ہجرت کے بعد مختلف راستوں اور مراحل سے گذرتے ہوئے اپنی اصلی کیفیت کھو دیتا ہے۔ اس کی علت یہ ہے کہ جہاں سے یہ گذرتا ہے وہ آلودہ راہیں اس پر اپنے آثار مرتب کرتے ہیں اور اس کے برعکس پانی بھی ان راہوں، کہ جن پر سے یہ عبور کرتا ہے، متاثر کر دیتا ہے۔ ان دونوں کا، پانی اور جن چیزوں کے ساتھ اس کا ارتباط ہے۔ ایک دوسرے کو اپنی تاثیر تلے لے آنا متعدد محسوس اور غیر محسوس نتائج رکھتا ہے۔ ملموس تغیرات کو انسان کی آنکھ سیدھے اور کسی آلے کے بغیر مشاہدہ کر لیتی ہے۔ لیکن معنوی تبدل کا ادراک کرنے کیلئے ایک مسلح آنکھ چاہیے اور بصیرت، شعور و تفکر کی ضرورت ہے۔

اسلام کے ساتھ ایسا ہی ہوا۔ ظہور اسلام سے لیکر معاصر دور تک یہ دین؛ حدیث کی جعلی فیکٹریوں، روایات میں اسرائیلیات کی شکل میں خرافات کے پلندوں، مختلف مکاتیب فکر، متعصب مستشرقوں، درباری ملاؤں، سیکولر سیاست دانوں، متحجر عالموں، جمود زدہ پیروکاروں، منحرف روشن فکروں، مغرب و یورپ کی اندھی نقالی کرنے والوں، نجس سیاست سے نباہ کرنے والے تاجروں اور بادشاہی سلسلوں کہ جنکے ہاتھ کہنیوں تک اسلام کے قتل سے رنگین ہیں؛ کے ہاتھوں ضربتیں کھاتا رہا ہے۔ یہ دین اس وقت بھی داخلی اور خارجی دشمنوں سے بڑِ رہا ہے۔ اسلام نے سب سے زیادہ مہلک گھاو اپنے داخلی عناصر ہی کے

ہاتھوں سہے ہیں۔ کیونکہ ان کے چہروں پر اسلامی لبادہ ہے۔ جنکی ایک مثال صدر اسلام میں ''منافقین'' کا فتنہ ہے۔ جن کی زبان پر ''خدا'' لیکن سینوں میں ''ھبل'' تھا۔ اب اسلام کا اقدس جسد اتنا مسخ کر دیا گیا کہ جس کی شناخت مسلم اکثریت کی حدود سے باہر ہے اسی وجہ سے مسلمانوں کی اندرونی خلیج بڑ رہی ہے۔ جس کو اسلامی اجتہادی سطوح کے اسلام شناس ہی پاٹ سکتے ہیں۔

ڈاکٹر علی شریعتی بیسویں صدی میلادی کے ان مسلمان مفکروں میں سے ہیں جو اپنا ایک منفرد فکری نظام رکھتے ہیں۔ وہ اسی نظری اور عملی حکمت کے تناظر میں فلسفہ کے تین اہم موضوعات: خدا، انسان اور ہستی کی معرفت رکھتے ہیں۔ یہ فکری اور فلسفی منظومہ انھوں نے اسلام سے ہی لیا ہے۔ ان کے آثار کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لائے ہوئے اسلام کی تلاش میں حیران ہیں۔ جو کہ اس وقت مسلمانوں کی ''گمشدہ شی'' ہے۔ شریعتی شناس اس درد کو ان کی کتابوں، مقالوں، لیکچروں میں محسوس کر سکتے ہیں۔ ہم آج اکیسویں صدی عیسویں یعنی دنیا بعد جدیدیت میں سانس لے رہے ہیں۔ اس دور میں انسان معنوی قحط میں مست ہے۔ انسان خود سے بیگانہ ہو چکا ہے۔ وہ اجنبیت کا احساس کر رہا ہے۔ اس وقت مسلمان کے داخلی اور خارجی مسائل اور سوالات اسکے گلے کی ہڈی بن گئی ہے جسے اب نہ وہ نگل پا رہا ہے نہ ہی اگل پا رہا ہے۔ شریعتی کے تفکر کے مطابق ان مقتضیات کا حل اپنی ذات کی طرف بازگشت میں ہے۔ قرآن، اسلام اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سمت لوٹنے میں ہے۔ لیکن پھر وہ خود ہی یہ سوال ہمارے سامنے دہرتے ہیں کہ کس اسلام کی طرف واپس آئیں؟ کس قرآن کی اور؟ اور کون سے رسول؟ کیونکہ صدر اسلام سے لیکر پوسٹ ماڈرن پیریڈ تک مختلف جغرافیائی حدود میں، قرآن کو قرآن کے خلاف، اسلام کو اسلام کی مخالفت میں اور رسول اللہ کو رسول اللہ کے خلاف پیش کیا گیا ہے۔

ان دو لیکچروں میں معلم شہید کی کوشش ہے کہ انفرادی اور اجتماعی سطوح پر مذہب حقہ کی

طرف ہجرت کا آغاز کیا جائے تا کہ شرک، نفاق، کفر اور افیونی دین؛ اسلام کا لبادہ پھر نہ اوڑھ سکے۔ اب اگر ایسا ہو بھی جائے کہ وہ مذہب کی اوٹ میں چھپ جائیں تو بصیرت میں لپٹی آنکھیں ان کے ہر بھیس کو رسوا کر سکیں۔

شریعتی کی نگاہ میں موجودہ مسلمان کی یہ سب سے بڑی مسئولیت ہے کہ وہ "مُنزل اسلام" سے تحریف کئے گئے اسلام کو الگ کر دے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مہجوریت کو دور کرے، قرآن سے ہماری متروکیت کو مٹادے۔ اسلام کو مثلہ ہونے سے بچائے اور اہلبیتؑ کے اسلام کا احیاء کرے۔ اب اگر آج کے مسلمان سے یہ نہ ہو سکا تو وہ ایک مفلوج ہاتھ کی چھٹی مشلول انگلی ہے۔ جو ہوتے ہوئے نہیں ہے۔ وہ استثمار، استعمار، استکبار اور استبداد کے ہاتھوں میں ایک "موحد نما" آلہ ہے جو رگ توحید کاٹ رہا ہے۔ اس کے سارے اعمال قربتاً الی الطاغوت وابلیس ہیں۔ "لا" سے "الا" تک کا یہ سفر انسان کی سب سے بڑی مسئولیت ہے۔

مترجم

حسین نصر اللہ

بڈگام

تقریظ

علم الٰہیات اور فلسفۂ مذاہب میں بیسویں صدی عیسوی اسلام کی کچھ اہم ترین شخصیات میں علی شریعتی کا جو منفرد مقام ہے وہ ابھی بھی بڑی حد تک او جھل ہے۔ جیتے جی وہ ایک سیاست کا شکار ہو کر میدان خالی کر گئے اور اس کے بعد دوسری قسم کی سیاست کا شکار ہو کر نقد و تفہیم کا موضوع کم ہی بنے۔ نئ نسل جو کہ ایک روایتی لب ولہجہ کی حامل کلامی مباحث سے بڑی حد تک اکتاہٹ محسوس کرتی ہے۔ فلسفیانہ یا متصوفانہ منہج وزبان سے بوجوہ زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔ شریعتی میں چھپے لولوئے لالہ کی غواصی میں کچھ مشکل سوالات (جو علم جدید نے مذاہب کی تفہیم وترسیل کے حوالے سے پیدا کئے ہیں) کا حل ڈھونڈ رہی ہے۔ اس سلسلے کی کڑی ہمارے باصلاحیت نوجوان دوستوں- حسین نصر اللہ کی یہ کوشش ہے جس میں شریعتی کے دو اہم لیکچرز کا بامحاورہ ترجمہ پیش کر کے عالم اسلام کو بالعموم اور فلسفۂ مذہب والٰہیات کے طلباء وعالموں کو دعوت فکر دی گئی ہے۔ شریعتی نے توحید وشرک یا اسلام وکفر کی روایتی تفہیم و تعبیر میں نئے باب کا اضافہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ بظاہر چوکانے والے لب ولہجہ اور عنوان "مذہب، مذہب کے خلاف" میں اس بنیادی نقطے کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے کہ دنیا میں اول روز سے لڑائی دینی اور بے دینی مناہج وافکار میں نہیں بلکہ مذہب یا دین کی مذہب یا دین سے ہے۔ یہ بین المذہبی لڑائی نہیں بلکہ ایک ہی روایت کی مختلف تعبیروں کے درمیان محاذ آرائی ہے۔ اس لڑائی میں رجحانات، میلانات اور مقاصد میں براہ راست ٹکراؤ ہے۔ یہ لڑائی اگرچہ نفس اور روح کے درمیان یا نفس امارہ اور لوامہ و نفس مطمئنہ کے

مابین جاری ہے اور اس کی وجودیائی تعبیر شریعتی کے عرفانی فلسفے کا اہم جز ہے۔ ان لیکچرز میں انھوں نے یہ بحث سماجی وسیاسی سطح پر لے کر کچھ گہرے ابھارے ہیں۔ شریعتی کچھ مقامات پر عام تصورات کی تقلیب ماہیت کرتے ہے اور کچھ مشکل سوالات اٹھاتے ہے۔ کچھ مباحث اب بھی بڑی حد تک روایتی مذہبی حلقوں میں انتھاٹ (unthought) کے ضمن میں آتے ہیں لیکن شریعتی بڑی جرأت سے ان پر بحث کا دروازہ کھولتے ہیں۔ جدیدیت کے کچھ بنیادی مقدمات کے تئیں شریعتی–اقبال، ارکون، سروش اور فضل الرّحمٰن جیسے مفکرین کے دوش بدوش مذاکرے کا باب کھولنے پر اصرار کرتے ہیں نہ کہ اس سے دامن بچانے یا اسے کسی ڈیسے سیو (decisive) فتویٰ بازی کے سہارے اس کی معنویت سے انکار کی کوشش کرتے ہیں۔

اردو داں طبقہ چونکہ علم جدید میں ہوئی اہم پیش رفت سے براہ راست بڑی حد تک ناواقف ہے اور مسلم دنیا بالعموم اور برصغیر کے مسلم بالخصوص جدیدیت سے مناسب مذاکرے کی روایت میں اپنا کردار کماحقہ نبھانے میں کامیاب نہیں ہوئے ہیں، یہ لیکچرز اس سلسلے میں خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ چونکہ شریعتی جدیدیت سے مذاکرے کے سلسلے میں اہم نام ہے اور انکی ذہن کو علم سے براہ راست عالمانہ واقفیت تھی، انکے کام کو اردو میں منتقل کرنا کافی اہمیت کا حامل ہے۔ اس ترجمہ میں کہیں کہیں عبارت اگرچہ اپنا سلیس پن کھوتی ہے اور معرّب اور مفرّس الفاظ کی کثرت ہے، لیکن مجموعی طور پر کامیاب ترجمہ کے لئے مترجم حضرات کا مشکور ہونا چاہیے۔

ڈاکٹر محمد معروف شاہ (سرینگر، کشمیر)

فلسفی و سکالر

پہلا لیکچر

میری گفتگو کا موضوع ان دو شبوں میں یعنی آج رات اور کل

رات، جیسا کہ اعلان ہوا، عبارت ہے "مذہب، مذہب کے خلاف"۔ ہو سکتا ہے اس تعبیر اور عنوان میں ایک ابہام ہو اور یہ ابہام اس بات کا معلول ہے کہ ہم آج تک یہ سوچتے رہے کہ مذہب ہمیشہ کفر کے خلاف رہا ہے اور طول تاریخ میں، مذہب اور بے مذہبی کے درمیان جنگ رہی ہے اسی وجہ سے یہ تعبیر "مذہب، مذہب کے خلاف" ایک اجنبی، مبہم، تعجب آور اور نا قابل قبول عبارت ہے۔ جبکہ میں کچھ مدت سے متوجہ ہوا اور شاید بہت پہلے متوجہ تھا۔ لیکن اتنی صراحت اور دقت سے نہیں جسکا میں اس وقت احساس کر رہا ہوں۔ اُس تصور کے بر خلاف کہ دوران تاریخ میں، ہمیشہ مذہب، مذہب سے لڑتا رہا اور ہر گز اس معنی میں نہیں جس کو آج ہم سمجھ رہے ہیں یعنی مذہب بے مذہبی سے۔

جس وقت تاریخ کی بات ہوتی ہے اس سے مقصود تاریخ کی رائج اصطلاح میں، تمدن اور خط کا پیدا ہونا نہیں ہے۔ بلکہ اس سے میرا مقصد زمین پر آج کے نوع انسان کی اجتماعی زندگی کا آغاز ہے۔ اس لئے کہ خط کا اختراع ہونا چھ ہزار برس کا سابقہ رکھتا ہے جبکہ میں جس تاریخ کی بات کر رہا

ہوں وہ تیس ہزار یا چالیس ہزار سال اور بعض نظریات کی بنا پر پچاس ہزار برس کا سابقہ رکھتا ہے۔ ان مختلف طریقوں سے یعنی: آثار قدیمہ، تاریخ، زمین شناسی اور افسانوں و اسطوروں کا تجزیہ و تحلیل، یہ وسیلوں کا مجموعہ انسان اول کی اجتماعی تحولات کا راستہ، زندگی گذارنے کا طریقہ اور اعتقادی نظام کی کم و بیش اور مجمل شناخت ہے جو ہم رکھتے ہیں۔ ان تمام ادوار میں کہ جس کا پہلا حصّہ اساطیر اور قصّوں کی حکایت کرتا ہے اور گذرے زمانے میں جس حد کو پہنچتا ہے اس سے یہ روشن تر اور مستند تر ہو جاتا ہے اور تواریخ اپنی زبان کھولتی ہے۔ تمام صحنوں میں ہمیشہ "مذہب، مذہب کے خلاف" اپنا قد، علم کرتا ہے اور ہر وقت کسی استثناء کے بغیر یہ مذہب ہے جو مذہب کے خلاف مقاومت کرتا ہے۔ کیوں؟ وہ اس لئے کہ تاریخ کسی سماج یا دور کو مذہب سے خالی نہیں جانتی یعنی بے مذہب سماج تاریخ میں سابقہ نہیں رکھتا ہے۔

اواخر میں یعنی ان صدیوں سے جب تمدن، تفکر، تعقل اور فلسفے نے رشد کیا کبھی ایسے افراد سے بھینٹ ہوتی ہے کہ جو معاد یا خدا کو قبول نہیں کرتے ہیں۔ لیکن یہ افراد کبھی بھی طول تاریخ میں ایک طبقے، ایک گروہ اور ایک معاشرے کی شکل میں نہیں رہے ہیں۔ الیکسیس کارل(۱) کے لفظوں میں، "تاریخ ہمیشہ ایسے سماجوں سے بھری رہی ہے کہ یہ معاشرے کلی طور پر ایک مذہبی تنظیم رہے ہیں"۔ ہر سماج کا محور، دل اور معیار: معبود، مذہبی ایمان، پیغمبر یا مذہبی کتاب ہے اور حتیٰ ہر شہر و مدینہ کی مادی شکل اس معاشرے کی روحی وضعیت کا پتہ دیتی ہے۔

مسیح سے پہلے قرون وسطیٰ اور مشرق و مغرب میں تمام شہر عبارت تھے: گھروں کا ایک مجموعہ یا عمارتوں کا ایک مجموعہ کہ یہ عمارتیں کبھی ایک قبیلہ رہا ہے لیکن ہر محلے میں ایک قبیلہ اپنی اشرافیت کی حیثیت سے اور اپنی اجتماعی وضیعت کے ساتھ ایک اونچے، بڑے اور اہم مقام پر جو شہر کے مرکز سے قریب تر ہے یا ایک غیر طبقاتی شکل میں زندگی گذارتے تھے۔ ہر حال میں جو کچھ تمام بڑے شہروں میں اور سارے مغربی اور مشرقی تمدنوں میں مشترک ہے وہ یہ ہے کہ یہ سارے شہر

سمبولک تھے۔ سمبولک شہر یعنی وہ شہر کہ جو ایک مشخص علامت کی شکل میں اپنے آپ کو دکھاتا ہے۔

یہ سمبل(۲) جو اس بڑے شہر کی شخصیت کو دکھانے والا ہے۔ ایک معبد تھا کہ مسلماً آج اس شکل میں ختم ہونے کی کگار پر ہے۔ مثلاً تہران ایک سمبولک شہر نہیں ہے یعنی اگر ہم اس شہر کے عمارتی مجموعے کی وضع پر نگاہ کریں تو دیکھیں گے کہ یہ ایک قطب، ایک عمارت، ایک مذہبی یا ایک غیر مذہبی ڈھانچے کے گرد جمع نہیں ہوا تو اس کا معنی یہ ہوا کہ یہ عمارتیں مرکز اور محور نہیں رکھتے ہیں۔ لیکن مشہد شہر کی ہوا میں لی گئی تصویر سے پورے طور واضح ہے کہ یہ ایک سمبولک شہر ہے یعنی وہ شہر جسکی عمارتوں کا مجموعہ مانو ایک شمع اور ایک محور ہے جو شہر کا دل اور شہر کی پہچان کرانے والا ہے، کے نزدیک جمع ہوئی ہیں۔

یہ شہر کیوں سمبولک تھے؟ وہ اس وجہ سے کہ ہر عمارت، اب یہ ایک تمدن کی عمارت ہو یا ایک ملت کی اور یا ایک شہر کی؛ اصولاً یہ ایک مذہبی وجہ کے بغیر وجود نہیں رکھتی۔ وہ ساری کتابیں حتیٰ ہماری اپنی فارسی زبان کی، ہم ان میں بھی دیکھ سکتے ہیں اور یہ کتابیں جو شہروں کے متعلق لکھی گئی ہیں مثلاً: "تاریخ قم"، "تاریخ یزد"، "الفضائل بلخ"، "تاریخ بخارا"، "تاریخ نشیاپور"، اور......... یہ ساری کتابیں جو ایک شہر کی شرح میں لکھی گئی ایک دینی روایت سے شروع ہوئی ہیں۔ یعنی وہ یہ خود قبول نہ کرواسکے کہ اتنا بڑا شہر ایک دینی عامل کے بغیر یا ایک مذہبی و معنوی علت کے سوا تعمیر اور ظاہر نہیں ہوا ہے۔ یا وہاں کوئی پیغمبر مدفون ہے یا مذہبی معجزے کی اساس پر تعمیر ہوا ہے یا اس لئے (بنا) کہ بعد میں وہاں کوئی مقدس یا ایک مذہبی شخصیت دفن ہو جائے۔ بہر حال، وجہ ہر جگہ دینی توجیہ ہی ہے۔ اور یہ اس بات کو دکھاتا ہے کہ اصولاً تمام پرانے سماج؛ طبقاتی شکل میں ہوں یا غیر طبقاتی، قبیلی ہوں یا غیر قبیلی، بڑی شہنشاہی کی صورت میں ہوں جیسے روم یا مستقل شہروں کی صورت میں یونان کے جیسے، قبائلی شکل میں ہوں عرب کی مثل یا متمدن اور ترقی یافتہ ہوں، یا پچھڑے ہوئے اور انحطاط پذیر ہر نسل میں انسانی اجتماع ایک واحد روح رکھتی ہے "مذہبی روح"

کے نام سے۔ ہر دور اور ہر فکر میں قدیم انسان ایک مذہبی انسان ہے۔ لہٰذا بے مذہبی کا مسئلہ جس طرح آج اس لفظ "کفر" سے ہم سمجھتے ہیں یہ ماورأ الطبیعہ و معاد، غیب، خدا و تقدس اور ایک اللہ یا چند خداؤں کے بارے میں عدم اعتقاد کے معنی میں؛ دنیا میں نہیں ہے کیونکہ تمام انسان ان اصول میں مشترک رہے ہیں۔

یہ "کفر" کا مسئلہ جسے آج ہم عدم مذہبی یا بے مذہبی یا ضد مذہبی کے معنوں میں لیتے ہیں، ایک بہت جدید معنی ہے۔ اس کا رابطہ پچھلی دو تین صدیوں سے ہے یعنی اس کا تعلق قرون وسطیٰ کے بعد سے ہے۔ یہ ایک ایسا معنیٰ ہے کہ جو مغربی فکری شئ کی صورت میں مشرق میں وارد ہوا ہے۔ یعنی "کفر" انسان کا خدا پر، ماورأ الطبیعہ پر اور دوسری دنیا پر اعتقاد کا نہ ہونا ہے۔ اسلام میں، قدیم متنوں میں، تمام تاریخوں اور مذہبوں میں جب کفر کی بات ہوتی ہے تو وہ بے مذہبی کے معنی میں نہیں ہے۔ ایسا کیوں؟ ایسا اس لئے کہ بے مذہبی وجود ہی نہیں رکھتی ہے۔

اس بنا پر، کفر خود ایک مذہب رہا ہے اس مذہب کی طرح جو دوسرے مذہب پر کفر کا فتویٰ اطلاق کرتا ہے لہٰذا یہ کفر کا مذہب بھی دوسرے مذہب پر کفر کو منطبق کرتا ہے۔ اس لئے اب کفر ایک مذہب کے معنی میں ہے نہ بے مذہبی کے مفہوم میں۔ لہٰذا تاریخ میں ہر جگہ چاہے ابراہیمی مذہبوں کی تاریخ ہو یا مشرقی اور مغربی مذاہب کی تاریخ ہو جس شکل میں بھی ہو؛ جہاں کہیں بھی ہو کوئی پیغمبر مبعوث یا ایک مذہبی انقلاب جو دین کے نام پر ظاہر ہوا ہے پہلے اس نے اپنے زمانے کے موجود مذاہب کے خلاف برعکس ظہور کیا اور دوسرے، پہلا گروہ یا طاقت کہ جس نے اس مذہب کے خلاف قد علم کیا، پاؤں پر کھڑا ہوا اور مقاومت ایجاد کی وہ مذہب ہی تھا۔

اس بنا پر یہاں ہم ایک بے نہایت اہم مسئلے سے ٹکراتے ہیں کہ جو معاصر دنیا کے روشن فکروں کی بنیادی ترین قضاوت کی مشکلات کو حل کرتا ہے اور اسی طرح وہ سب سے بڑا فیصلہ جو دنیا کے روشن فکروں نے مذہب کے متعلق کیا ہے وہ بھی علمی اور تاریخی تجزیہ اور تحلیل کا موضوع قرار پاتا ہے۔ یہ قضاوت — یعنی معاصر روشن فکروں کا فیصلہ دین کے متعلق کہ مذہب: تمدن،

ترقی، عوام اور آزادی کا مخالف ہے یا بے حس اور (بے اعتناء)۔ یہ قضاوت ایک ایسا فیصلہ ہے جسکی بنیاد دقیق علمی و خارجی ہے اور تاریخ کے مکرر تجربوں سے وجود میں آیا ہے۔ یہ کوئی گالم گلوچ نہیں ہے، ایک موہوم بات نہیں ہے کہ جو کینے، دشمنی، بدگمانی اور غرض کی بنا پر ہو بلکہ ایک تجربہ اور ایک دقیق علمی نتیجہ ہے جسکی اساس ان حقیقتوں پر ہے جو تاریخ، بشری سماج اور انسان کی زندگی میں ہے۔

لیکن کیوں اس سب کے باوجود یہ قضاوت میری نظر میں صحیح نہیں ہے؟ کیوں کہ جس طرح ہم جو مذہب کے پیرو ہیں یعنی مذہبی ٹائپ کے، ہم نہیں جانتے کہ تاریخ میں مختلف شکلوں میں لیکن واحد حقیقت میں یہ دو مذہب تھے جو آپس میں جدال، جنگ اور کشمکش میں رہے ہیں (یہ دو مذہب نہ صرف آپسی اختلاف رکھتے ہیں بلکہ جس طرح میں نے کہا، اصولاً ان دو مذہبوں کے درمیان ماضی میں فکری اور مذہبی جنگ رہی ہے لیکن ایک خاص وجہ سے اس وقت ہمارے ذہنوں میں نہیں ہے، (نتیجہ کے طور پر) ہم مذہب کے بارے میں ایک عام رائے رکھتے ہیں اور عاطور سے ثابت کرتے ہیں پھر خود اپنے مذہب پر پہنچ جاتے ہیں اور اخص طور پر اسے ثابت کرتے ہیں یہ ایک غلط طریقہ ہے)۔ اُسی طرح مذہب مخالفوں نے بھی پچھلی دو تین صدیوں میں مخصوصاً انیسویں صدی کہ جب یورپ میں مذہب کی مخالفت اوج پر تھی وہ بھی اس اشتباہ سے دوچار ہوئے کہ جو ان دو مذہبوں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکے۔ جبکہ یہ دو مذہب نہ صرف آپس میں کسی قسم کی شباہت نہیں رکھتے بلکہ ایک دوسرے کے دشمن و نقیض ہیں اور اصولاً تاریخ میں ہمیشہ بغیر کسی فترت کے آپس میں جنگ کرتے تھے، اس وقت بھی لڑ رہے ہیں اور بھڑتے رہیں گے۔ لیکن ان کا فیصلہ اس مذہب کے ایک صف سے مرتبط ہے جو صحیح، مجرب اور تاریخی واقعیتوں پر مبنی رہا ہے مگر اس مذہب کے مقابل صف کہ وہ بھی مذہب ہے، اس سے مطلع نہیں تھے جس طرح کہ ہم مذہبی ہیں؛ دوسرے آگاہ نہیں ہیں۔ یہ صحیح فیصلہ کہ جو آدھی حقیقت پر قابل انطباق

تھا اپنے آپ ساری واقعیت پر حتیٰ دیگر متناقض حصّے پر یعنی اس مذہب کے نقیض صف پر بھی تعمیم دے دیا گیا اور اشتباہ یہی پر ہے۔

جس طرح میں نے کہا، یہ دو مذہب مختلف چہروں سے آپس میں اختلاف رکھتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں ان دو مذہبوں کی ساری صفتوں کا تقابل کریں اور صفات گنیں تو کسی بھی صورت میں جو صفت ہم کسی ایک کیلئے ثابت کریں مجبوراً ہمیں چاہیے کہ اسی صفت کو دوسرے دین کیلئے نفی کریں۔

میں جو اصطلاحیں استعمال کرتا ہوں وہی اصطلاحات ہیں جن سے ہم سب آشنا ہیں، لیکن دوسرے معنوں میں؛ اس بنا پر میں استدعا کرتا ہوں جوں ہی میں کوئی اصطلاح استعمال کروں اس سابقہ مفہوم کے ساتھ کہ جو ہم ذہن میں رکھتے ہیں معنی نہ کیجئے۔ بلکہ خاص معنی میں جسے میں، اس رائج اصطلاح کو استعمال کرتا ہوں اسی میں قضاوت اور معنی کیجئے۔ پہلے میں لفظوں کی وضاحت کرتا ہوں یہ اس لئے جو ابہام ان الفاظ میں ہیں اور رائج بھی ہیں وہ ان دو بحثوں میں جو سرے سے ایک دوسرے سے جدا ہیں خلط کا سبب بنا ہے اور وہ: "کفر"، "شرک" اور "بت پرستی" ہیں کہ جنہیں ہم ہمیشہ مذہبی اصطلاح میں استعمال کرتے ہیں۔

کفر:

"کفر" کے معنی ہیں چھپانا، جیسے ذراعت میں: بیج کو بوتے ہیں اور بعد میں اس کے چہرے کو مٹی میں چھپاتے ہیں۔ انسانوں کے دل میں اس لئے کہ ایک حقیقت وجود رکھتی ہے لیکن کچھ علتوں سے اس حقیقت کے چہرے کو ایک کالے پردے جو جہالت یا غرض، نفع طلبی، مطلق لاعلمی سے گھیر دیتا اور چھپا دیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اسے کفر کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ کفر دین کی حقیقت کو چھپانے کے معنی میں دین نہ ہونے کے ذریعے نہیں ہے بلکہ دین کی حقیقت کو چھپنے یا چھپانے کے معنی میں ہے ایک اور دین کے ذریعے۔

شرک:

"شرک" کے معنی بے خدائی نہیں ہے وہ (مشرکین) ہم سے زیادہ خدا رکھتے ہیں! مشرک وہ نہیں جو خدا کا معتقد نہ ہو، (مشرک) وہ نہیں، جو خدا پرست نہیں ہے جس طرح ہم جانتے ہیں عیسیٰ سلام اللہ علیہ، موسیٰ سلام اللہ علیہ اور ابراہیم سلام اللہ علیہ کے مقابل میں مشرکین ہیں خدا کو نہ ماننے والے بے خدا لوگ نہیں، مشرک کون لوگ ہیں؟ وہ خدا کے متعلق بے اعتقاد نہیں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جو کچھ ہے اس سے زیادہ خدا کے معتقد ہیں یعنی یہ اضافی خدا رکھتے ہیں اور کچھ زیادہ ہی خدا پرست ہیں لہٰذا علمی نظریہ میں مشرک اسے نہیں کہہ سکتے۔ جو دینی اعتقاد اور دینی احساس نہ رکھتا ہو وہ اس لئے کہ "مشرک" معبود رکھتا ہے، مختلف معبود اور اپنی عبودیت میں ان معبودوں کی نسبت دینا اور اپنی تقدیر میں ان کی تاثیر کا اعتقاد رکھتا ہے۔ اس بنا پر، ہم جس نظر سے خدا کی طرف دیکھتے ہیں یہ مشرک بھی اپنے خداؤں کی اور دیکھتا ہے۔

لہٰذا احساس کے نظریہ سے "مشرک" مذہبی ہے۔ ایک دینی شخص ہے لیکن مصداق اور دینی واقعیتوں کی نظر میں غلط راستے پر چلا ہے۔ غلط مذہب، بے مذہبی سے الگ ہے اس لئے شرک ایک دین ہے اور اس دین کے قدیم ترین شکل کو بشری سماجوں میں پہچانا گیا ہے۔

بت پرستی:

"بت پرستی" مذہب شرک کی ایک خاص صورت ہے؛ نہ شرک کے مترادف (تاریخ میں لوگوں کے عمومی مذہب کے طور پر شرک کی شناخت ہوئی تھی) کہ ایک مرحلے میں جسکی شکلوں میں ایک شکل بت پرستی رہی ہے۔ لہٰذا بت پرستی مجسموں اور متبرک اشیاء بنانے کے معنی میں ہے کہ جو ان کے پیرکاروں یعنی مذہب شرک کے پیروؤں کی نظر میں یہ اشیاء مقدس ہیں یا تقدس سے ان کا

تعلق ہے۔ یعنی یا یہ خدا کی شبیہ ہیں یا یہ معتقد ہیں کہ یہی خدا ہے یا ان کا اعتقاد ہے کہ یہ خدا کا واسطہ یا نمایندہ ہے اور ہر حال میں یا معتقد ہیں کہ ان خداؤں میں سے ایک زندگی اور دنیا کے کاموں میں جزئی طور مؤثر ہے۔ بہر حال بت پرستی، دین شرک کے فِرَق میں سے ایک فرقے کے معنی میں ہے۔

لیکن قرآن میں جس وقت ان (مشرکوں، بت پرستوں) پر حملہ ہوتا ہے یا جب ان سے گفتگو ہوتی ہے اور ان پر تنقید کی جاتی ہے تو کوشش یہ ہوتی ہے کہ عام تر تعبیروں میں ان کے ساتھ ہم کلام ہوا جائے ایسا کیوں؟ کہ کہی وہی قضاوت جو اس وقت ہمارے ذہن میں موجود ہے، وجود میں نہ آئے اور یہ خیال نہ کریں کہ اسلام کی تحریک صرف اسی موجودہ بت پرستی کی شکل کی مخالف رہی ہے۔ ہم، یہ سمجھیں کہ اسلام کا حملہ گذشتہ توحیدی تحریکوں کے عقب میں مذہب شرک کے جرائم پر عمومی حملہ ہے اور اسکی ہر شکل میں جس میں مجسمہ پرستی کی صورت پر بھی حملہ ہے۔ ہم خیال کرتے ہیں کہ حریف مقابل (یعنی مذہب شرک) فقط بت پرستی کی شکل میں موجود ہے کہ جسے ہم پہچانتے ہیں جبکہ، "اتعبدون ماتنحتون": کیا تم ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو۔، جسے خود تراشتے ہو؟ کیا، طول تاریخ اور عرض جغرافیہ میں صرف یہ لکڑی اور پتھر کے مجسمے تھے کہ جنہیں ہم اپنے ہاتھوں سے بناتے تھے اور بعد میں پوجتے تھے؟ نہیں—، سینکڑوں مادی اور غیر مادی شکلوں میں شرک ایک عمومی دین کے عنوان سے بشر کی تاریخ میں جلوہ گری رکھتا تھا اور رکھتا ہے۔ آج تک سارے بشری سماجوں میں ان شکلوں میں سے بت پرستی کی ایک صورت افریقی جاہلیت یا عربی جاہلیت کے روپ میں رہی ہے۔ یہ "اتعبدون ماتنحتون" ایک عام قانون ہے؛ ایک تعریف ہے، دین شرک میں مذہبی پرستش کی کیفیت کے بارے میں۔ یہ شرک کا دین طول تاریخ میں ٹھیک دین توحید کے کنارے کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملا کر آگے بڑھا ہے اور آگے بڑھ رہا ہے اور ہر گز ابراہیم سلام اللہ علیہ کی داستان کے ساتھ یا اسلام کے ظہور سے ختم نہیں ہوا، بلکہ اسی طرح جاری ہے۔

شرک کے دین کے خصوصیات (یہ ایک بحث ہے تاریخ ادیان میں، لیکن میری کوشش یہ ہوگی کہ اسلام میں خود اپنی مانوس اصطلاحوں کے ساتھ اور اپنی ثقافت کو نظر میں رکھ کر بات کروں گا)۔ مذہب کے ایک صف میں—یعنی ان دو صفوں میں سے ایک، خدا کی عبادت ہے۔ خدا: آگاہی، ارادہ، خالق اور دنیا کی تدبیر کرنے والا، کے معنی میں (ہے)، یہ خدا کی صفات ہیں تمام ابراہیمی مذاہب میں۔ ایک صفت خالق ہے، یعنی، تمام عالم کو پیدا کیا ہے۔ ایک صفت مدیر ہے؛ یعنی، عالم کی ہدایت اور حرکت اس کے ارادے سے ہے۔ ایک اور صفت آزاد ارادہ ہے جو ہستی پر حاکم ہے۔ ایک صفت بصیرت و مطلق آگاہی ہے اور جو تمام عالم پر اشراف رکھتی ہے۔ اسی طرح یہ خدا، ہستی اور خلقت کی جہت ہے اور وہی عالم کے مقصد کو متعین کرتا ہے۔ اس "مطلق قدرت" کی عبادت—تمام ابراہیمی ادیان کا سب سے بڑا اشعار رہا ہے اور اصولاً مقصد ابراہیم سلام اللہ علیہ اسی پہچانے ہوئے شعار سے عبارت ہے: تمام انسانوں کو عالم وجود میں ایک قدرت کی عبادت کی دعوت، خلقت میں ایک سمت کی طرف توجہ، ساری ہستی میں ایک مؤثر قدرت پر اعتقاد اور اسی طرح ساری زندگی میں ایک تکیہ گاہ سے ٹیک لگانا۔

توحید:

یہ دعوت کہ جس کا دعوتِ توحید سے اعلام ہوتا ہے ایک دنیوی اور مادی چہرہ بھی رکھتی ہے اور وہ یہ ہے: (یقیناً) جب ایک گروہ معتقد ہو کہ یہ ساری خلقت ایک طاقت نے بنائی اور اس تمام پیدائش میں؛ پھر چاہیے وہ انسانی سماج ہو یا حیوانی، نباتی ہو حتیٰ مادی ان سب پر ایک قدرت حکومت کرتی ہے اور اس کے سوا کوئی مؤثر وجود نہیں رکھتا اور تمام اشیاء، اشخاص، رنگ، جنس اور جواہر کو ایک خالق نے بنایا ہے، تو خود ہی الٰہی وحدت، یعنی ہستی میں خدا کی توحید؛ اس کا منطقی اور فکری تقاضیٰ زمین پر بشریت کی وحدت ہے یعنی جس طرح توحید اعلان کرتی رہی ہے کہ ساری خلقت ایک ایمپائر ہے

ایک قدرت کے ہاتھوں میں، سارے انسان ایک ہی سر چشمہ سے ابھرے ہیں، ایک ہی ارادہ سے ہدایت پاتے ہیں، ایک سمت کی طرح متوجہ ہیں، ایک جنس سے بنائے گئے ہیں اور ایک خدا رکھتے ہیں۔ تمام طاقتیں، تمثیل، مظاہر، اقدار اور ساری علامتیں اُس کے لئے نابود ہونی چاہیئں۔ آپ اپنے، میں خود بھی جو توحید کا معتقد ہوں جب عالم پر نگاہ کرتا ہوں تو اس دنیا کو ایک زندہ کلی جسم —— ایک کل —— دیکھتا ہوں کہ اس مادی اندام پر ایک روح، قدرت اور تدبیر حکومت کرتی ہے۔ اس بنا پر، یہ ایک کل ہے اور جس وقت بشریت کی اور دیکھتا ہوں سب کو ایک آنکھ سے، ایک، واحد جنس، ہم نوع اور ایک ہی قیمت کے دیکھتا ہوں کیوں کہ یہ ایک ہی ہاتھ اور ایک ہی مشین کے بنے ہوئے ہیں۔ یہ توحیدی دین ان دو ادیان میں سے ایک ہے جسکی بنیاد ایک خدا کی عبادت پر ہے، سارے خلقت میں ایک قدرت پر اعتقاد ہے اور تاریخ میں بشر کی ساری تقدیر کا تعلق اُسی سے ہے جیسا کہ میں نے کہا خدا کی توحید کا لازمہ، دنیا کی توحید کو لازمہ ہے اور عالم کی توحید کا لازمہ، انسان کی توحید ہے۔

دوسری طرف، بشریت کا یہ خاص اعتقاد کہ ایک قدرت کی عبادت انسان کا فطری احساس ہے اور دور کھیم (۳) کے قول میں ایک تقدس کا عقیدہ؛ یا قران کے الفاظ میں: غیب پر اعتقاد؛ انسان کی فطرت میں ہے اور ہمیشہ موجود رہا ہے۔ کسی چیز کی غریزی ہونے کی علامت ایک اس کا دوام ہے اور دوسرا اس کا پھیلاؤ ہے ہر جگہ اور ہر وقت۔ لہٰذا یہ علامتیں دکھاتی ہیں کہ ایک چیز فطری ہے ۔ اگر ہم کسی ملت کا اسکی طولِ تاریخ میں سراغ لگائیں، تو ہم دیکھیں گے کہ وہ ہرگز عبادت کے بغیر نہیں جئی ہے اور اگر ہم تمام دنیا کا کوئی ایک دور دیکھیں تو اس بات کو پاتے ہیں کہ عبادت ہر جگہ اور ہمیشہ رہی ہے اور یہ عبادت کے فطری ہونے کا پتہ ہے۔

(یہ احساس یعنی —— عبادت —— اس دین کے ذریعے سے: توحید کو اور اُس طاقت کی شناخت جو دنیا پر اشراف رکھتی ہے نتیجے کے طور پر جہاں کی پہنچان کو ایک حساس، طاقتور اور زندہ شکل میں جو ارادہ اور ہدف رکھنے پر منجر ہوتی ہے۔) اور اسی طرح یہ احساس دین توحید کے ذریعے

بشریت کی وحدت کے اعتقاد کی شکل میں، ساری نسلوں کی وحدت میں، سارے طبقوں میں، تمام گھروں میں، سارے افراد میں، حقوق کی وحدت میں، شرفوں کی وحدت میں، تاریخ میں تجلّی دکھاتی ہے۔

دوسری طرف یہی مذہب، یہی مذہبی احساس، شرک کی شکل میں تاریخ میں جاری رہتا ہے اور یہ "جاری رہنا" ہر دور میں ایک نیا روپ دھار لیتا ہے۔ جو سب سے بڑی طاقت کو، اس پہلے مذہب کے خلاف جیسا کہ میں نے کہا، وجود میں لے آتی ہے اور سب سے بڑے حملہ آور اور استقامت کرنے والی قدرت کو دین توحید کے پھیلنے کے خلاف؛ وجود میں لے آتی ہے۔

اس وقت فرصت نہیں کہ میں ایک ایک کر کے تمام مذہبوں کی اس نکتہ نگاہ سے شرح کر دوں لیکن اس توحید کے ساتھ اور تھوڑی بہت آشنائی کہ جو ہم بڑے پیغمبروں کی رکھتے ہیں، (ہم دین شرک کی چھان بین کر سکتے ہیں) مثلاً موسیٰ سلام اللہ علیہ کو تورات میں، سارے توراتی قصّوں میں، تورات سے متعلق کتابوں میں، توراتی ثقافت میں، حتیٰ خود قرآن میں اور اسلامی حدیثوں میں دیکھیے: سب سے بڑی طاقت کہ جس نے موسیٰؑ کے خلاف اپنا قد علم کیا اور سبھوں سے بڑھ کر موسیٰؑ کی تحریک کو جو گھاو دیتی ہے۔ اِن کو دکھایا گیا کہ ایک "سامری" اور دوسرا "بلعم باعور" رہا ہے۔

"سامری":

موسیٰ سلام اللہ علیہ بہت برسوں کے رنج اور جنگ کے بعد حتیٰ اس کامیابی کے بعد کہ جب اپنی قوم کو، ایک خدا، سے آشنا کیا۔ موہوم پرستی، گوسالہ پرستی اور بت پرستی کو کہ جو اس دور میں مذہب شرک کی شکلوں میں سے ایک روپ تھا (موسی سلام اللہ علیہ ان کو) اپنے سماج سے نابود کر دیتا ہے۔ اس سب بعد سامری(۴) ایک بار بھر بچھڑے کو بناتا ہے اور ذرا سی فرصت ـــــــ کہ جو موسیٰؑ کی غیبت ہے، سے فائدہ اُٹھاتا ہے تاکہ لوگوں کو ایک بار پھر گوسالہ پرستی پر اُبھارے۔

یہ آدمی، جو بچھڑے کو بناتا ہے تاکہ لوگ اس کو یَہوہ، خدا اور اللہ کی جگہ عبادت کریں۔ یہ آدمی بے خدا اور دین کے متعلق بے اعتقاد نہیں ہے یہ تو دین کا معتقد بلکہ دین کا مبلغ اور متولی ہے۔

"بلعم باعور":

بلعم باعور(۵) کیا ایک مادی فلسفی ہے؟ کیا ایک دہری ہے؟ کیا وہ میٹر لنک(۶) اور شوپن ہاورہ(۷) ہے؟ نہیں؛ بلعم باعور اس دور کا سب سے بڑا عالم دین ہے کہ جس کے ارد گرد لوگوں کا مذہب گھومتا ہے اور یہی تو وہ ہے جو موسیٰ سلام اللہ علیہ کے ہوتے ہوئے اور موسیٰ سلام اللہ علیہ کی تحریک کے خلاف اپنا قدِ علم کرتا ہے۔ جب مذہبی طاقت، احساس اور لوگوں کا ایمان اسکے ہاتھوں میں رہا تھا تو وہ یہ کر سکا کہ طول تاریخ میں حق کے خلاف اور دین توحید کے خلاف سب سے بڑی مقاومتیں کیں اور سب سے زیادہ مؤثر ضربتیں لگائیں۔

فریسی:

عیسیٰ سلام اللہ علیہ کو دیکھیئے آخر تک اور ان کے مرنے کی آن تک جتنے رنج اور ضربتیں کھائیں، سولی پر لٹکائیں جاتے ہیں ـــ یعنی ان کے قول کے مطابق، جو ہار اور نابودی ان کے نصیب میں آتی ہے اور جو خیانتیں وہ جھیلتے ہیں، سارے دباؤ، ساری تہمتیں اور بدگوئیاں، سب سے زیادہ بدصورت اور نجس ترین اتہامات جو ان پر اور انکی ماں پر لگائے جاتے ہیں، سب فریسیوں کے ہاتھوں سے ہیں۔ فریسی(۸) اس زمانے کے دین کی دفاع کرنے والے اور متولی ہیں۔ یہ مادی نہیں تھے، زندیق نہیں تھے، دہری نہیں تھے۔ اس زمان میں تو مادی نہیں تھے۔ یہ دین شرک کے معتقد، آگے بڑھانے والے اور متولی تھے جو عیسیٰؑ اور ان کے پیروکاروں کے خلاف تھے۔

اسلام کے پیامبر صلی اللہ علیہ وآلہ:

اسلام کے پیغمبر پر نگاہ کیجیے: کچھ لوگ کہ جنہوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ کے مقابل، احد میں، طائف میں، بدر میں، ہوازن میں اور مکّہ میں تلوار سونت لی اور انہیں آزار پہنچائے، کیا وہ بے خدا تھے؟ اور اصولی طور سے مذہبی احساس کے معتقد نہیں تھے؟ ایسا ایک آدمی بھی نہیں ڈھونڈا جا سکتا ہے، ایک فرد بھی نہیں! یہ سب، تو وہ لوگ تھے جو جھوٹ یا سچ کے معتقد تھے۔ بہانہ یہ تھا، نعرہ یہ تھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کو، عبد اللہ کے بیٹے اور ان کے پیروکاروں کو راستے سے ہٹائیں—کیوں؟ یہ چاہتا ہے کی ابراہیم سلام اللہ علیہ کے گھر کی حرمت کو نابود کر دے، کیوں؟ یہ چاہتا ہے کہ ہمارے اصول، مقدسات اور اعتقادات پر لات مار دے، یہ چاہتا ہے کہ اس گھر اور اس مقدس سرزمین (مکّہ) کو نابود کر دے، یہ چاہتا ہے؛ ہمارے مقدسات، ہمارے بت، ہمارے معبودوں، ہمارے شفعاء کہ جو ہمارے اور خدا کے درمیان بستے ہیں؛ کو توڑ دے۔ اس لئے قریش کا نعرہ اور سارے اعرابی کا شعار کہ جنہوں نے اسلام کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے طول زمانہ میں جنگ کی؛ شعار یہ تھا: "مذہب، مذہب کے خلاف"۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد، یہی شعار ایک دوسرے روپ میں شروع ہوتا ہے: علی سلام اللہ علیہ کے خلاف، اُس تحریک کے خلاف جو اسلام کی روح کو آگے لے جا رہی تھے اور چاہتی تھی کہ اس کو جاری رکھے۔ کیا کفر نے اپنا قد علم کیا تھا؟ یا بے خدائی نے؟ یا دین اور مذہب پر اعتقاد کے نہ ہونے نے؟ یا اس استدلال نے کہ خدا وجود نہیں رکھتا؟ یا ایک ایسے نوع کے مذہب پر اعتقاد نے جو دوسرے مذہب کے خلاف تھا۔ جس نے پھر بنی اُمیہ اور بنی علی کے درمیان جنگ کو، بنی عباس اور اہلبیتؑ کے خاندان کے بیچ گھمسان کو وجود میں لایا؟ اُس دین کے خصوصیتوں میں سے یعنی ابراہیمی دین—ابراہیمی دین اس لئے کہتا ہوں کہ سب اسے آسانی سے سمجھتے ہیں اور توحیدی دین، ایک خدا کی عبادت ہے۔ طول تاریخ میں، ان ساری تحریکوں کے خلاف ایک دین اور ایک مذہب اور

ہمارے اعتقاد کے بنا پر اور تاریخ کے فلسفے کے مطابق— آدم سے لیکر خاتم تک اور اُس سے آگے بشری تاریخ کے اختتام تک ایک معبود کی عبادت جو تمام عالم کا خالق ہے اور انسانی اقدار کو، تاریخ کے مقصد کو اور بشری زندگی کو؛ تعین کرنے والے کے عنوان سے، طاغوت پرستی کے خلاف ہے۔ یعنی اس تحریک کے روبرو کہ جو انسان کو اس ہستی کی سب سے بڑی ناموس کے آگے مطیع کرتی ہے اور خلقت کے اس بڑے راستے اور آفرینش کے اس عظیم مقصد کہ جس کی غایت اور آخری ہدف خدا ہے۔ یہ دین اس نظام کے روبرو تسلیم ہو اور اس مقصد کے سامنے تسلیم ہونے کے لئے بلاتا ہے۔ یہ—طاغوت پرست اُس "ہدف" اور اس "دعوت" کے خلاف کہ جس کا نام "اسلام" ہے، (اس کے خلاف ڈٹ گئے۔)

لیکن یہ دین اس حال میں کہ بشریت کو خدا کے سامنے تسلیم ہونے کے لئے بلاتا ہے اسی طرح اور اسی وجہ سے جو کچھ بھی اس کے خدا کے سوا ہے اس کے خلاف بغاوت کی دعوت دیتا ہے اور اپنے آپ اسی پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس، شرک کا دین ہستی کے اس عظیم ناموس کے خلاف اور اس دعوت کے مقابل جو اسلام کے لئے ہے، طغیان کرتا ہے اور خدا کے خلاف بھی— جو سارے وجود کا معنیٰ ہے، ساری حیات کا ہدف اور علت غائی ہے—اسی دین اسلام اور تسلیم ہونے؛ کے خلاف سرکشی کرنے کے لئے دعوت دیتا ہے اور اپنے آپ اس نتیجے پر ختم ہوتا ہے اور سینکڑوں طاقتوں، دیگر سینکڑوں اقطاب اور دوسری قدرتوں کے سامنے عبودیت کی اور تسلیم ہونے کی دعوت دیتا ہے۔ جن میں ہر قطب، ہر قدرت، ہر طبقہ اور ہر گروہ اپنا ایک خدا رکھتا ہے۔

شرک یعنی بندگی، یعنی خدا کی بندگی کے خلاف طغیان، لیکن اسی حال میں، "شرک": بتوں کے سامنے تسلیم ہونا، ذلالت اور بشر کی بندگی ہے۔ (بتوں کے عام معنی میں یعنی: جو کچھ دھونکے باز، جو کچھ جھوٹے لوگوں، اور جہالت اور ظلم نے ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے گڑھ لیا ہے اور لوگوں کو اس کی عبودیت وعبادت کی طرف دعوت دی ہے)۔ یہ طاغوت ہے؛ کائنات کے اس عظیم طاقت کے خلاف طغیان اور اس "ماتنحتون" کے سامنے (ہونا ہے) یہ "ماتنحتون" جو

کچھ بھی ہو: اب یہ "لات" ہو یا "عزّا"، چاہے "مشین" ہو یا "فضل"، اب یہ "سرمایہ" ہو یا "خون"، چاہے "خاندان" ہو، یا کوئی دوسری چیز ہو، ہر دور میں یہ طاغوت ہیں "اللہ" کے سامنے، "خدا" کے سامنے۔ انقلابی حملے کی حالت میں ہونا توحیدی دین کی خصوصیات میں سے ہے اور شرک کی خصوصیتوں میں سے ـــ اس کے عام معنی میں ـــ توجیہ کرنے والے کی کی خصوصیت ہے۔

انقلابی دین:

انقلابی دین یعنی کیا؟ انقلابی دین ایک شخص کو یعنی اُس شخص کو کہ جو اس کا معتقد ہے اور جو اس دین کے مکتب میں تربیت پاتا ہے، زندگی اور زندگی کے سارے چہروں مادی، معنوی اور اسکی اجتماعی صورت کے متعلق ایک تنقیدی بصیرت دیتا ہے۔ اور ایک رسالت و مسئولیت دیتا ہے وہ اس لئے کہ جو کچھ وہ ناپسند کرتا ہے اور جسے وہ باطل جانتا ہے اُسے تغیر، تبدیل اور نابود کر دے اور اس کو اسکی جگہ پر بٹھا دے جسے وہ حق جانتا ہے اور حق کے طور پر پہچانتا ہے۔ اس دین کی خصوصتیں ـــ یعنی توحیدی دین کی یہ ہیں کہ وہ موجود وضعیت کی تائید اور مذہبی توجیہ نہیں کرتا اور اسکے مقابلے میں بے اعتنا نہیں ہے۔ سارے پیغمبروں کے ظہور پر نگاہ کیجیئے: یہ سب، یہ دکھاتا ہے کہ یہ ادیان ـــ یعنی توحیدی ادیان اپنی پہلی حالت میں، اپنے پہلے ظہور میں کہ جو نہایت ہی صاف اور نتھرے ہوئے ہیں، جنہوں نے کوئی تغیر نہیں کیا ہے اور نہ بدلے ہوئے ہیں، ایک تحریک کی حالت کا حامل ہے اس کے خلاف کہ "جو کچھ ہے" اور ایک طغیانی حالت رکھتا ہے پلیدی اور ستم کے خلاف۔ وہ سرکشی جو عبودیت کے ساتھ خلقت کے سامنے ہے یعنی ہستی کے قوانین کے روبرو عامل خلقت اور تسلیم کی حیثیت سے کہ جو خدا کے قوانین کی تجلّی ہے ـــ اس کا اعلان ہوتا ہے۔

آپ ان سارے ادیان پر نگاہ کیجیئے؛ موسیٰ سلام اللہ علیہ کو دیکھیے: موسی سلام اللہ علیہ تین سمبلوں کے مقابلے میں؛ (جس طرح میں نے کہا) قارون اپنے زمانے کا سب سے بڑا سرمایہ دار، بلعم باعور

اُس انحرافی دینِ شرک کا سب سے بڑا عالم اور فرعون اپنے زمانے کی سیاسی قدرت کا سب سے بڑا تمثیل، وہ (موسیٰ سلام اللہ علیہ) قیام کرتے ہیں یا موجودہ وضعیت کے خلاف قیام کرتے ہیں۔ موجودہ حالت کیا تھی؟ "سبطی" اقلیت کی غلامی اور ذلت ایک دوسری نسل کے ہاتھوں میں جس کا نام ہے "قبطی"۔ جنگ نسلی بھید بھاو کے خلاف ہے کہ قبطیوں کی برتری، سبطیوں پر ہو؛ جنگ، اجتماعی وضعیت کے خلاف ہے کہ ایک نسل کا تسلط دوسری نسل پر ہو یا ایک نسل کی غلامی ہو اور ایک آئیڈیل کو اسکی جگہ بٹھانا ہے اور ایک مشخص مقصد کو حقیقت سے ملانا ہے؛ جو زندگی اور اجتماع کے لئے ہے کہ جس میں غلام قوم کی نجات ہے ان کی ہدایت اور ان کی ہجرت موعود سرزمین کی طرف ہو۔ جہاں ایک ایسے سماج کو بناتا ہے کہ جس کی بنیاد معتقدات اور ایک اجتماعی مکتب پر ہو جس میں طاغوت پرستی نابود ہو جائے اور طواغیت جو تبعیضوں کی توجیہ کرنے والے تھے، وہ موت کے گھاٹ اتریں۔ توحید کہ جو اجتماعی اور بشری وحدت کا پتہ بتاتی ہے اسکی جگہ براجمان ہو جائے۔

مقدس وجہ گھڑنے والا دین:

"توجیہ کرنے والا دین" یعنی کیا؟ لیکن! وہ دینِ شرک کہ جس کی کوشش ہمیشہ یہ ہے کہ ماوراء الطبیعی اعتقادات کے وسیلہ سے، ان عقیدوں کے ذریعے سے جو خدا یا خداؤں کے نام سے ہیں، قیامت پر اعتقاد کے سہارے سے یعنی معاد کی نسبت اعتقادی توجیہ کے ساتھ، مقدسوں کی اعتقادی توجیہ کے ساتھ، غیبی طاقتوں کے اعتقاد کی تحریف اور توجیہ کے ساتھ، تمام اعتقادی اور مذہبی اصولوں کی تحریف کے ساتھ؛ کہ جو حالت اس وقت ہے اسکی توجیہ کرے یعنی دین کے نام پر لوگوں کو یقین کروائیں کہ جو حالت تم اور تمہارا سماج رکھتا ہے یہ ایک ایسی وضعیت ہے جیسی تمہاری ہونی چاہیے۔ اور جو تمہاری اور تمہارے معاشرے کی صورتحال ہے خدا کے ارادے کی تجلّی ہے اور یہی تمہاری سرنوشت اور تقدیر ہے۔

قضااور قدر:

قضااور قدر ـــــ اس معنی میں کہ جس میں ہم آج سمجھتے ہیں ـــــ معاویہ کی یادگار اور تیار کیاہوا ہے۔ تاریخ واضح طور پر دکھاتی ہے کہ قدر اور جبر پر اعتقاد کو دنیا میں بنی امیہ نے وجود میں لایا ہے۔ مسلمانوں کو جبر پر اعتقاد کے ذریعے سے ہر قسم کی مسئولیت سے، ہر قسم کے اقدام سے اور ہر قسم کے انتقاد سے روکا گیا۔ جبر یعنی اسکو قبول کرنا کہ "جو کچھ ہے" اور "جو کچھ ہونے والا ہے" لیکن اسکے بر عکس ہم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ کے اصحاب کو دیکھتے ہیں کہ جو اپنے ہر لمحے کیلئے، اجتماعی مسئولیت کے قائل ہیں۔

معروف کا امر اور منکر سے نہی:

معروف کا امر اور منکر سے نہی ـــــ جو ہمارے ذہن میں مبتذل معنی میں وجود رکھتا ہے اور روشن فکری معاشرے میں جس کا نام تک نہیں لیا جا سکتا ہے۔ یہ وہی ہے کہ جسے آج کا یورپی روشن فکر؛ بشر کی مسئولیت، ہنر مند کی مسئولیت اور روشن فکر کی مسئولیت سے پہچانتا ہے۔ وہ ذمہ داری کہ جو آج کے فلسفے، فن اور ادبیات میں اس قدر مطرح ہے، یعنی کیا؟ یہ وہی "معروف کا امر اور منکر سے نہی" ہے کہ جس کو ہم نے ایک ایسی صورت میں ڈھالا ہے اور اس طرح معروف کا حکم اور منکر سے نہی کرتے ہیں کہ جو فقط منکَر رہ گیا ہے۔

شرک کے دین کا جاری رہنا:

تاریخ میں دینِ شرک دو شکلوں میں جاری رہا ہے جس طرح میں نے کہا، موجودہ وضعیت کی توجیہ

دین شرک کی رسالت اور مقصد ہے۔ موجودہ وضعیت کی توجیہ یعنی کیا؟ ہم طول تاریخ میں دیکھتے ہیں کہ بشری معاشرے شریف اور غیر شریف، مالک اور غلام، فائدہ دینے والا اور فائدہ اٹھانے والا، حاکم اور محکوم اور اسیر و آزاد میں تقسیم ہوتے ہیں۔ ایک ایسا دھڑا جو زرّین ذات، سرشت، نسل اور خاندان رکھتا ہے اور ایک وہ جماعت جو اس سے محروم ہے، وہ ملت جو دوسری ملت سے افضل ہے، وہ طبقہ کہ جو ہمیشہ دوسرے طبقے سے برتر اور ارجح ہے؛ وہ خاندان کہ جو ازل سے اور سدا اکیلئے دوسرے خاندانوں پر اشرف وارجح ہیں۔ یہ عقیدے کہ جو زندگی میں وجود رکھتے ہیں اور اسکی وجہ ایک گروہ کا فائدے اٹھانا اور دوسرے گروہ کو محروم کرنا رہا ہے۔ اپنے آپ بتلاتا ہے کہ یہ موجودہ وضعیت کی توجیہ کے لئے ہے۔

اب ایسا ہونا چاہیے کہ کچھ خدا چند اقلیموں اور چند اقنوموں کے عنوان سے عالم وجود میں آئیں تاکہ کچھ گروہ، کچھ طبقے، کچھ خاندان، کچھ نسلیں اور کچھ رنگ ایک معاشرے میں اور دنیا میں روپ دھاریں اور جاری رہیں۔

ایک گروہ دوسری جماعت کو طاقت سے محروم کر سکتا ہے اور خود حقوقی، اقتصادی اور اجتماعی امتیازات پر قابض ہو جائے؛ لیکن ان کی حفاظت کرنا مشکل ہے۔ اسی وجہ سے طول تاریخ میں طاقتوروں نے ہمیشہ ان منابع کو اپنے ہاتھوں میں لیا ہے اور اکثریت کو محروم کرتے ہیں پھر ایک ایسا زمانہ آتا ہے کہ موجودہ وضعیت کی حفاظت جب طاقت سے نہیں کی جا سکتی۔ یہیں تو، مذہب ــــــ یعنی شرک کا مذہب اس وضعیت کی حفاظت کی رسالت اپنے ہاتھوں میں لیتا ہے اور اس کا کام یہ ہے کہ لوگوں کو تسلیم و قانع کرے کہ جو کچھ ہوا ہے وہ خدا کی مرضی تھے۔ اس بات پر قانع کرے کہ میری وابستگی اس پست طبقے کے ساتھ اس جہت سے ہے کہ نہ صرف میری ذات پست ہے بلکہ میرا خدا، میرا رب، میرا خالق، میرا پروردگار اور میرا صاحب؛ دوسری نسل کے اُس صاحب سے پست تر، دوسری نسل کے اُس بُت سے پست تر اور اُس دوسری نسل کے خدا سے پست تر ہے۔

دین شرک کے گڑھنے اور حفاظت کرنے والوں کے مرکز:

اس بنا پر جب وضعیت ایسی ہے جس وقت بھید بھاو، طبقاتی اور نسلی اختلاف ہے شرک کا دین موجودہ وضعیت کو مستحکم کرنے کی رسالت کا عہدہ سنبھالتا ہے اور اسے برقرار اور دائمی کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے طول تاریخ میں دین شرک کو تراشنے والے اور حفاظت کرنے والے اونچے طبقے کی صف میں ہیں اور حتیٰ حاکم طبقے سے؛ زیادہ تسلط رکھنے والے، برتر اور زیادہ ثروت رکھنے والے ہیں۔

ساسانی(۹) دور میں موبدوں(۱۰) کو دیکھیئے کہ جو شہزادوں اور فوجیوں کے گھروں پر تسلط رکھتے ہیں۔ مغوں(۱۱) کو نگاہ کیجیئے۔ یورپ میں، پادریوں کو، بنی اسرائیل کی قوم میں خاخاموں(۱۲) کو اور بلعم باعوری ٹائپ کے انسانوں دیکھیئے۔ بت پرست قبیلوں میں، خود افریقہ اور آسٹریلیا میں، جادوگروں، غیب گویوں، جوتشیوں اور اُن کو دیکھے کہ جو سماج کے موجودہ دین کی تولیت کے مدعی ہیں، یہ سب، حاکم نظام سے ہاتھ سے ہاتھ اور کندھے سے کندھا ملائے ہوتے تھے یا ان پر مسلط تھے۔ یورپ میں کبھی ستر فیصدی سے زیادہ ملکیتیں ان کے اختیار میں یعنی مسیحی پادریوں کے اختیار میں رہی ہیں۔ ساسانیوں کے دور میں کبھی کبھار ملاکین سے زیادہ یعنی ساسانی دور کے کسانوں ـــــ زمینیں موبدوں کے اختیار میں اور زردشتی معبدوں وعبادت گاہوں کے لئے وقف رہی ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں پیغمبر ـــــ یعنی وہ پیغمبر کہ ہم جنکی پیروی کے معتقد ہیں ـــــ اس کے بر خلاف کہ جو ہم اپنی نظر اور خیال میں رکھتے ہیں ـــــ یہ انبیاء ایک ایسے دین کے خلاف قرار پائے کہ جو طول تاریخ میں، اقتصادی نظریے سے بھی، اخلاقی نظریے سے بھی اور فکری نظریے سے بھی پرانے معاشروں کی زندگی کی ظالمانہ وضعیت کو اور انسانیت مخالف حالت کی (توجیہ کرتا تھا) اور طاغوت پرستی کو اعم معنی میں اور بت پرست کو توحید کے خلاف حفاظت اور ترویج کرتا تھا۔

دین شرک کی جڑ:

اس شرک کے دین کی جڑ اقتصاد ہے۔ اس کی جڑ ایک گروہ کی مالکیت ہے اور اکثریت کی محرومیت ہے۔ یہی عامل ہے کہ جو اپنی حفاظت کے لئے، اپنی توجیہ کے لئے اور اپنی زندگی کا نظام کے ابدی ہونے کے لئے دین کی احتیاج رکھتا ہے۔ اس (دین) سے محکم تر عامل اور کیا ہو سکتا ہے کہ انسان اپنے آپ اپنی ذلت پر قانع ہو جاتا ہے۔ یہ دین —— دین شرک ہی تھا کہ جو ہمیشہ موجودہ وضعیت کی توجیہ کرنے والا رہا ہے۔ کس صورت میں؟ اس کی پہلی صورت چند خداؤں پر اعتقاد ہے؛ یہ اس لئے کہ لوگ اعتقاد پیدا کریں اور یقین کریں کہ کچھ ملتیں، کچھ خاندان اور کچھ طبقے الٰہی ارادے کے معلول ہیں، اور یہ ماوراء الطبیعی ہے! دوسری صورت، وہ اس وجہ سے کہ یہ خود اس دوسرے طبقے کے مقابلے میں، طول تاریخ میں حاکم نظام میں جو برتریاں وہ اپنے لئے مخصوص رکھتے تھے، ان کے مالک بن جائیں اور یہ لوگ ہمیشہ تاریخ میں انحصار چیوں میں سے رہے ہیں۔

بے حس کرنے والا دین:

افیونی دین، دین شرک کے عوامل میں سے ہے: جس طرح مذہب کے مخالف لوگ کہتے ہیں، وہ سچ ہے کہ جو عبارت ہے: جہالت، ڈر، تبعیض، مالکیت اور ایک طبقے کی ترجیح دوسرے طبقے پر؛ یہ سب (مذہب مخالفوں کے الفاظ میں) سچ ہے؛ اور سچ ہے کہ دین لوگوں کے لئے افیون ہے تاکہ لوگوں کو ذلت، سختی، بیچارگی، جہالت اور تحجر سے پھانسیں اور اس منحوس تقدیر سے کہ جسے وہ خود، ان کے اجداد اور ان کے اخلاق دچار تھے، ہیں اور رہیں گے؛ انہی کے مقابل نہتھے ہو جائیں: ایک اندرونی اور اعتقادی تسلیم۔

"مرجئہ" اور مسئولیت کا سلب ہو جانا:

مرجئہ (۱۳) پر نگاہ کیجیئے۔ مرجئہ ہر مجرم آدمی سے تاریخ میں اور اسلامی معاشرے میں مسئولیت کو سلب کرلیتا ہے؛ مرجئہ کہتا ہے: "خدا ترازو کو محشر کے دن کس مقصد کے لئے نصب کرے گا؟ وہ اس لئے کہ علی سلام اللہ علیہ اور معاویہ کے حساب کی جانچ کرے" یعنی جبکہ وہ ــــ خدا ــــ معاینہ کرنے والا اور قاضی ہے، تو تم بات مت کرو؛ تمہیں اس سے کیا کہ کون حق پر اور کون باطل پر ہے، تم اپنی زندگی گذارو!

حرکت دین شرک:

شرک کے دین کی حرکت؛ دین شرک تاریخ میں دو صورتوں میں حرکت رکھتا ہے: پہلی، اپنی مستقیم شکل میں کہ جسے ہم ادیان کی تاریخ میں دیکھتے ہیں یعنی مہرہ پرستی کا دین، پھر تابو پرستی، پھر مانا پرستی، پھر رب النوع پرستی، پھر چند خداؤں کی پرستش، پھر ارواح پرستی اور اس کے بعد خدا پرستی کی شکل میں۔ ادیان کی تاریخ میں یہ شرک کے دین کا سلسلہ ہے لیکن یہ سب دین شرک کی آشکار شکلیں ہیں۔

دوسری شکل؛ شرک کے دین کی چھپی ہوئی صورت ہے۔ جو سب سے زیادہ خطرناک اور موذی تر ہے۔ جس نے سب سے زیادہ بشریت کو اور حقیقت کو نقصان پہنچایا ہے ــــ یہ شکل ــــ یعنی شرک کے دین کی چھپی ہوئی شکل، توحید کے نقاب کے پیچھے شرک کا چھپ جانا ہے۔ توحیدی پیغمبر جب اٹھتے تھے اور شرک کے مقابلے میں مقاومت کرتے تھے تو یہ شرک ان کے خلاف کھڑا ہوتا تھا۔ یہ پیغمبر اگر فاتح ہوتے تھے اور شرک کے گھٹنے ٹِکا دیتے تھے، تو پھر؛ شرک اپنے خول میں، اپنے پیروں کاروں میں، جانشینوں میں اور اس کو جاری رکھنے والوں میں، اپنی چھپی ہوئی زندگی کو جی رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں بلعم باعور موسیٰ سلام اللہ علیہ کے مقابلے میں اور موسیٰ سلام اللہ علیہ کی

تحریک کے سامنے سے محو ہو جاتا ہے لیکن دینِ موسیٰ سلام اللہ علیہ کے خاخاموں کی صورت میں اور فریسیوں کی صورت میں کہ جو عیسیٰ سلام اللہ علیہ کے قاتل ہیں، ظاہر ہوتے ہیں۔

یہ گروہ جو عیسیٰ سلام اللہ علیہ کو نابود کر دیتے ہیں—اسکے خلاف کھڑے ہو جاتے ہیں اور توحید کا دفاع کرنے والوں کے خلاف بت پرست رومی قیصر کے شریک اور ساجھے بن جاتے ہیں یہ اُسی گروہ میں سے پھوٹے جو موسیٰ سلام اللہ علیہ کے خلاف کھڑے ہوئے یا اسی جماعت کی کڑیاں ہیں جو موسیٰ سلام اللہ علیہ پر ایمان لائے تھے۔ تاریخ میں، یہ وہی بلعم باعور اور سامری ہے کہ جو اب دین موسیٰ سلام اللہ علیہ کے لباس میں ظاہر ہوا ہے۔ یہ پادری کہ جنہوں نے قرون وسطیٰ میں مذہب کے اوٹ میں—وہ مذہب کہ جس کی بنیاد عشق، دوستی، وفاداری، صبر، معافی اور محبت پر ہے، اور عیسیٰ سلام اللہ علیہ کے نام پر کہ جو تاریخ میں صلح اور عفو کا مظہر ہے—سب سے بڑے جرموں حتیٰ منگولیوں نے جسکا خواب بھی نہیں دیکھا، کے مرتکب ہوئے۔ سب مجرموں سے زیادہ، خون بہایا ہے۔ کیا یہ سب عیسیٰ سلام اللہ علیہ کے راستے کو جاری رکھنے والے ہیں؟ کیا یہ عیسیٰ سلام اللہ علیہ کے حواری ہیں؟ یا شرک کے مذہب کو جاری رکھنے والے ہیں اور وہی فریسی ہیں کہ جو پادریوں کی صورت میں ایک بار پھر ظاہر ہوئے ہیں تا کہ موسیٰ سلام اللہ علیہ کے دین کو بھیتر سے شرک کی طرف کھینچے؟ جس طرح کہ انہوں نے کھینچا۔

اس بنا پر، یہ بات جو انیسویں صدی میں کہی گئی کہ: "دین لوگوں کے لئے افیون ہے تا کہ عوام مرنے کے بعد، امید کے نام پر محرومیت اور اپنی بد بختی کو اس دنیا میں تحمل کریں، یہ لوگوں کے لئے تریاق ہے تا کہ لوگ اس پر اعتقاد رکھیں کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ خدا کے ارادے سے ہے۔ ہر قسم کی کوشش و وضعیت کی تغیر کے لئے، اپنی اور لوگوں کی حالت کی بہبودی کے لئے یہ خدا کی ارادے کی مخالفت ہو گی"۔ یہ بات سچ ہے، صحیح ہے! اور یہ کہ اٹھارویں اور انیسویں صدی کے علماء نے کہا ہے: "دین، لوگوں کے موہوم ڈر سے جنا ہے"، یہ سچ ہے! اور جو انھوں نے کہا: "دین، تبعیض، مالکیت اور جاگیر داری دور کی محرومیت سے جنا ہے"، یہ بھی سچ ہے! لیکن یہ کون سا دین

ہے ؟ یہ وہ دین ہے کہ تاریخ میں ہمیشہ اس کی سلطنت رہی ہے ـــــ صرف کچھ لحظوں کے لئے (تاریخ) بجلی کی طرح کوندی اور پھر خاموش ہوگئی ـــــ اور یہی شرک کا دین ہے۔ یا، یہ دین شرک ان ناموں: توحیدی دین، موسیٰ سلام اللہ علیہ کا دین اور عیسیٰ سلام اللہ علیہ کے دین کے نام سے ہو، یا ان ناموں: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کی خلافت، بنی عباس کی خلافت، یا اہلبیتؑ کی خلافت کے نام سے ہو، ان سب کا دین، شرک ہے۔ لباس میں اور توحیدی دین کی آڑ میں، جہاد اور قرآن کے نام پر؛ اور قرآن کو بھی، اس نے ـــــ کہ جو شرک کے دین کا پیرو ہے ـــــ نیزے کی نوک پر چڑھاتا ہے۔

وہ، جو قرآن کو بھالے کی انی پر اٹھاتا ہے، وہ قریش نہیں ہے کہ جو لات اور عُزّا کے لئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ کے خلاف ڈٹا۔ وہ اِس "شکل" کی حفاظت اُس "شکل" سے نہیں کر سکتا ہے۔ وہ داخل سے پھوٹتا ہے، اس کے بعد قرآن کو نیزے کی نوک پر علم کرتا ہے اور علی سلام اللہ علیہ پر ضرب لگاتا ہے یعنی خدا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر ضرب لگاتا ہے یعنی دوسری بار اسلام کے نام پر، دین شرک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کے خاندان کی آڑ میں، خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ کی خلافت کے اوٹ میں اور اس حکومت کے نام پر کہ جس کا آئین، قران ہے، تاریخ پر حکومت کرتا ہے اور اصولی طور پر یہ خلیفہ کہ جو جہاد کے لئے نکلتا اور حج پر جاتا ہے پھر بھی دین شرک ہی حکومت کرتا ہے۔ شرک کا دین، قرون وسطیٰ میں، عیسیٰ سلام اللہ علیہ کے نام پر اور موسیٰ سلام اللہ علیہ کے نام پر حکومت کرتا ہے۔ یہ، توحیدی دین کی نیو ڈالنے والے ہیں لیکن پھر بھی شرک کا دین ان بنیاڈالنے والوں کے نام پر تاریخ میں حکومت کرتا ہے۔

توجیہ کرنے والا دین، مست کرنے والا دین، متحجر کرنے والا دین، محدود کرنے والا دین اور وہ دین کہ جو لوگوں کی وضع زندگی کے بارے میں بے اعتنا ہے یہی (دین) ہمیشہ تاریخ میں بشری سماجوں پر مسلط رہا ہے اور وہ لوگ کہ جنہوں نے کہا ہے: "دین، خوف سے جنا ہے، مست کرنے والا ہے، محدود کرنے والا ہے اور جاگیر داری دور کی پیداوار ہے۔"، انہوں نے سچ کہا ہے، کیونکہ، انہوں نے تاریخ اور تاریخ شناسی کی اساس پر استنباط کیا ہے۔ لیکن انہوں نے دین کو نہیں

پہچانا اس لئے کہ وہ دین شناس اور تاریخ شناس نہیں تھے۔ جو کوئی بھی تاریخ کا سراغ لگائے تو دیکھے گا کہ ادیان، یعنی جن لوگوں نے طول تاریخ میں، توحید کے نام پر یا پھر صریح شرک کے نام پر، دین شرک کی حفاظت کی ہے کیونکہ ان کا کام ہی یہی رہا ہے۔

لیکن میں نے اُن تمام ناموں اور صفات کو کہ جو خدا کے معنی میں ہیں، پھر چاہیے وہ ابراہیمی ادیان میں ہوں یا ادیان شرک میں ہوں، ان کا آپس میں مقابلہ کیا، تو میں نے دیکھا کہ یہ تو سچ ہے کہ وہ دین یعنی دین شرک، لوگوں کی جہالت اور خوف سے پیدا ہوا ہے۔ کیوں؟ ایسا اس لئے کہ مشرک مذہبی لوگ، یعنی وہ لوگ جو شرک کے دین کی تبلیغ کرتے ہیں، وہ اس سے ڈرتے ہیں کہ لوگ بیدار ہو جائیں، پڑھے لکھے بن جائیں، عالم بن جائیں اور آگاہ ہو جائیں۔ وہ چاہتے ہیں علوم ہمیشہ منحصر اور ثابت رہیں ایک چیز میں اور وہ بھی خود اُن کی کی ذات کی انحصار میں۔ کیوں؟ وہ اس لئے کہ علم کی ترقی کے مطابق، یہ دینِ شرک نابود ہو جائے گا۔ کیونکہ دین شرک کا محافظ، جہل ہے اور لوگوں کی بیداری کے تناسب سے، اور عوام میں انتقادی روح کے وجود میں آنے سے، لوگوں میں کمال مطلوب کی تلاش سے اور لوگوں کی عدالت طلبی سے، وہ دین شرک متزلزل ہو گا۔ کیوں؟ ایسا اس لئے کہ وہ دین، طول تاریخ میں موجودہ وضعیت کا محافظ رہا ہے اور یہ وضعیت جاگیرداری نظام سے پہلے، جاگیرداری دور تک اور اس کے بعد، مشرق اور مغرب میں حتیٰ بشریت کی طول تاریخ میں موجود رہی ہے۔ لیکن، ادیان شرک کے سلسلے میں سے، ہمیشہ خداؤں کے صفات اور نام، یعنی: ہیبت، وحشت اور جبّاریت، اپنے خاص استبدادی مفہوم میں معنی کئے جاتے ہیں۔ لیکن سارے پرانے نام، حتیٰ دو ہزار برس پہلے کہ جو ان ادیان (ابراہیمی ادیان) کے سلسلے میں تھے وہ دو معنوں سے وجود میں آتے ہیں یعنی تمام وہ الفاظ اور صفات کہ جو ابراہیم سلام اللہ علیہ سے پہلے ابراہیمی ادیان میں ہیں وہ یہ دکھاتے ہیں کہ ہمیشہ دو معنی ان دینوں یعنی ابراہیمی ادیان میں ہیں:

پہلا: عشق، خوبصورتی اور ایک جلال و جمال کی عبادت ہے۔

دوسرا: حکومت پروری، تکیہ گاہ ہونا، باپ ہونا، صاحب ہونا، سرور ہونا اور پناہ ہونا ہے۔

لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ یہ سچ ہے: وہ دین کہ جو تاریخ میں موجود تھا اور حکومت کرتا تھا وہ لوگوں کی جہالت سے جنا اور طبعی عوامل کے نسبت لوگوں کے خوف سے پیدا ہوا ہے لیکن اس کے بر عکس، ابراہیمی ادیان عشق سے جنے ہیں، انسان کا ایک مقصد ہونے کی ضرورت سے پیدا ہوئے ہیں، ساری دنیا پر ایک حکومت سے، خلقت میں ایک سمت کی طرف رخ ہونے سے جنے ہیں۔ اور انسان کو عبادت کی ضرورت کا جمال مطلق، تکامل مطلق اور جلال مطلق کی نسبت اور اسکی ساری ضرورتوں کا یعنی روحی، فلسفی اور اجتماعی لحاظ سے جواب دیتے رہے ہیں۔

اس دین کے پیغمبروں یعنی، ابراہیمی ادیان کے، نے ہمیشہ تمام حاکم چہروں پر پھر چاہے وہ مادی ہو، اجتماعی ہو یا معنوی ـــــ اور سارے بتوں پر ـــــ پھر چاہے وہ، بقول فرانسیس بیکن(۱۴) منطقی بت ہوں یا جسمانی بت، بشری بت ہوں، اقتصادی بت ہوں یا مادی بت ہوں، انہوں نے ان سب پر پنجے گاڑے ہیں، دین شرک کے تمام مظہروں کو للکارا ہے۔ یعنی وضعیت موجود کے دین کی مخالفت کی ہے۔ ابراہیمی ادیان کے پیغمبروں کی اور انکے پیروکاروں کی مسئولیت یہی رہی ہے کہ "موجودہ وضعیت" کو جڑ سے اکھاڑ ڈالیں اور اُس کی جگہ عدالت، میزان اور قسط کو بٹھا دیں کہ جو ہمیشہ قرآن میں رسولوں کو بھیجنے کے مقصد کے عنوان سے دہرایا جاتا ہے اور عدالت، میزان اور قسط کا استقرار یعنی موجودہ وضعیت کا بدل دینا نہ کہ اس کو قبول کرنا۔

نتیجہ:

اس بنا پر، وہ نتیجہ جو میں لینا چاہتا ہوں یہ ہے، طول تاریخ میں، دین، بے دینی کے مقابلے میں نہیں تھا، (بلکہ) دین، دین کے خلاف تھا اور ہمیشہ دین، دین سے جنگ کرتا رہا ہے۔

توحید کا دین کہ جو آگاہی اور بصیرت پر، عشق اور انسان کی ضرورت پر (ایک فطری، فلسفی ضرورت پر) مبنی ہے، دین شرک کے مقابلے میں بھڑتا ہے کہ جو جہالت اور ڈر سے پھوٹا ہے۔

توحید کا دین کہ جو ایک انقلابی دین ہے، ہر وقت دین شرک کے خلاف کہ یہ دین (دین شرک)

تحریف کے وسیلے سے یا مذہبی اعتقادات کے گھڑنے سے، موجودہ وضعیت کی توجیہ کرنے والا ہے۔
خداپرستی ہمیشہ طاغوت پرستی کے مقابل رہی ہے۔ جب بھی کسی پیغمبر کی توحیدی دین میں بعثت ہوئی تو اس نے انسان کو خلقت کے کلی راستے میں قوانینِ عالم پر اتباع کرنے کے لئے دعوت دی ہے کہ جو خدا کے ارادے کی تجلّی ہے۔ اور توحید کے دین کا لازمہ: ہر دوسری قدرت کے خلاف، طغیان، انکار اور "لا کہنا" ہے۔

خداپرستی کے مقابلے میں، طاغوت پرستی ہے کہ جو انسان کو طغیان پر بُلاتی ہے، اس حق کے نظام کے خلاف کہ جو دنیا اور بشری زندگی پر غالب ہے اور ان مختلف بتوں کی نسبت کہ جو سماج کے مختلف قدرتوں کے نمائندے رہے ہیں ان کے نسبت "غلامی" اور ذلت کی دعوت دیتی ہے۔

"خدا"، "ناس" تورات، انجیل (وہ حصے جو تحریف نہیں ہوئے ان سے صحیح استنباط کیا جاسکتا ہے) اور قرآن میں ہر جگہ بغیر کسی استثناء کے خدا کی صف اور ناس کی صف یعنی لوگوں کی ایک ہی ہے یعنی ان ساری آیتوں میں کہ جو اجتماعی، سیاسی اور اقتصادی مسائل کے بارے میں آیتیں ہیں، فلسفی اور علمی مسائل نہیں ـــــ، ہر جگہ کہ جہاں لفظ "النـاس" آیا ہے ـــ اس لفظ کو اٹھاسکتے ہیں اور اسکی جگہ لفظ "خدا" کو قرار دیں، اور جہاں کہی " الله" آیا ہے اگر ہم اسکو اٹھائیں اور اسکی جگہ ہم لفظ "النـاس" کو رکھ دیں پھر بھی اس کے جملے میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ مثلا: "ان تقرضوا الله قرضا حسنا" یعنی کیا؟ جو کوئی خدا کو قرضِ حسنہ دے، اس کے معنی کیا ہیں؟ کیا خدا کی تنخواہ کم پڑ جاتی ہے کہ ہم اُسے قرضِ حسنہ دیں؟ یعنی لوگ، لوگوں کو قرض حسنہ دیں۔
اس بنا پر، اُن تمام آیتوں اور حدیثوں میں کہ جو اجتماعی مسائل، صف، میدان جنگ اور جن میں اپنا اجتماعی طرف یک سو ہونا مطرح ہے، خدا ٹھیک لوگوں کے برابر ہے یعنی لوگوں کی ردیف اور صف میں قرار پاتا ہے۔

طاغوت پرست اس صف کے مقابلے میں کون لوگ ہیں؟ طاغوت پرست! طاغوت پرست کون ہیں؟ یہی لوگ، یعنی وہ کہ جو قرآن کے الفاظ میں، "ملاء" (۱۵) (جو آنکھوں میں سما

جائیں) اور "مترفین" (۱۶) ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے سماج میں ظاہری تقدس رکھتے ہیں لیکن باطن سے کھوکھلے، بے مغز ہیں اور آنکھوں کو بھر دینے والے ہیں۔ جو ہر کام کا اختیار اپنے پاس رکھتے ہیں لیکن بے مسئولیت ہیں۔ مترف یعنی یہ !

ہمیشہ طول تاریخ میں، ملاء اور مترفین کا دین حکومت کرتا رہا یا کھلے طور، اپنے نام پر یا دین خدا کے پردے میں اور لوگوں کی آڑ میں اپنے وجود کی حفاظت کی ہے۔ توحید کا دین وہ دین ہے کہ تاریخ میں جسکی حکومت کا قیام نہیں ہوا اور میری نظر میں، یہ شیعوں کے افتخارات میں سے ہے کہ جو کچھ قرونِ وسطیٰ میں اسلامی قدرت کے نام پر دنیا کے سامنے پیش کیا گیا (شیعہ) اُسے قبول نہیں کرتا ہے، اسکے جہاد کو امپیریلسٹ لوٹ کی نظر سے دیکھتا ہے اور اسکی حکومت کو "قیصری" (۱۷) اور "کسرایی" (۱۸) حکومت؛ نہ کہ خدا کے رسول کی خلافت۔

اس بناپر، ابراہیمی دین یعنی، وہ دین ہے کہ جو دین ملاء، مترفین اور طاغوت پرستی کے دین کے خلاف ہمیشہ قیام کرتا رہا اور لوگوں کو اس صف کے مقابل قیام کرنے کے لئے بلاتا رہا ہے۔ یہ اعلام کرتا ہے کہ خدا تمہاری صف میں ہے، اس کے مخاطب لوگ ہیں اور اس کا ہدف عدالت کا استقرار ہے۔ توحید کا دین، آگاہی کا، عشق کی ضرورت کا، عبادت کا اور لوگوں کی تمام تر بیداری کا معلول اور انہی سے جنا ہے، لیکن نہ اس صورت میں جس طرح تاریخ میں اس نے عملی شکل اختیار کی، بلکہ تاریخ کے خلاف ایک انتقادی تحریک کی صورت میں، مگر تاریخ میں کبھی بھی کامل صورت میں جس کا قیام نہ ہو پایا اور ہمیشہ دین شرک؛ ملاء اور مترفین کی طاغوت پرستی یعنی: بت پرستی، یعنی موجودہ وضعیت کی توجیہ کرنے والا دین اور بے حس کرنے والا دین ـــــــ تاریخ میں موجود رہا ہے اور جو، قدرت و تسلط رکھتا ہے۔

میں اسے ان روشن فکروں پر واضح کرنا چاہتا ہوں، وہ جو ہمیشہ پوچھتے ہیں کہ: "تم ایک روشن فکر ہونے کے حیثیت سے کس دین پر ٹیک لگاتے ہو؟"، میں کہتا ہوں: "میں اگر دین کی بات کرتا ہوں، تو میں اس دین کی بات نہیں کرتا جو ماضی میں وجود رکھتا تھا اور جو سماج پر حاکم رہا بلکہ میں ایک

ایسے دین کی بات کرتا ہوں کہ جس کا ہدف، اس دین کو محو کرنا ہے کہ جو طول تاریخ میں معاشروں پر حکومت رکھتا ہے اور میں اُس دین کی بات کرتا ہوں کہ جس کے پیغمبروں نے دین شرک کے مختلف صورتوں کو نابود کرنے کے لئے قیام کیا۔ لوگوں کی سماجی اور اجتماعی نظر میں، کسی بھی زمانے میں کامل طور پر اِس دین توحید نے تحقق پیدا نہیں کیا، بلکہ ہماری مسئولیت یہ ہے کہ ہم اُس دین (دین توحید) کے قیام کے لئے مستقبل میں کوشش کریں اور یہ بشریت کی مسئولیت ہے آنے والے زمانے کے لئے۔ توحیدی دین، جس طرح توحیدی پیغمبروں کے ذریعے اعلام ہوا——بشری معاشرے میں، شرک کے مست کرنے والے اور توجیہ کرنے والے دینوں کی جگہ جانشین ہو جائے۔"

لہٰذا اس اساس پر، دین پر ہمارا ٹیک لگانا، ماضی کی طرف لوٹ کر جانا نہیں ہے بلکہ تاریخ کی راہ کو جاری رکھنا ہے۔

دوسرا لیکچر

میں نے پہلے حصے میں بیان کیا کہ میرا مقصد اس عنوان "مذہب، مذہب کے خلاف" سے، کیا ہے اور یہ بھی کہا کہ اس کے بر خلاف جو ہمارے ذہن میں آتا ہے اور ہم اکثر ایسا ہی سوچتے ہیں؛ میں حال ہی میں متوجہ ہوا ہوں (یہ توجہ ایک بہت ہی الجھی ہوئی، فلسفی اور علمی اکتشاف نہیں ہے بلکہ بہت سادہ ہے۔ لیکن ایسے بہت سارے سادہ مسائل ہیں کہ جب ہماری ان پر توجہ نہیں ہوتی تو وہ بُرے عواقب اور نتیجے لاتے ہیں) کہ بشریت کی طول تاریخ میں، مذہب کفر کے ساتھ——اس مفہوم کے ساتھ جو ہمارے ذہن میں ہے یعنی بے دینی اور مذہبی عدم اعتقاد کے ساتھ جنگ نہیں رکھتا ہے۔ کیونکہ ماضی میں کوئی بے مذہب اور بے خدا سماج یا طبقہ وجود نہیں رکھتا ہے۔ طول تاریخ میں جس طرح کہ تاریخ گواہ ہے اور سارے تاریخی سماجیات، مذہبی سماجیات کے اسناد اور ساری انسان شناسی کی تاریخی تحقیقات شاہد ہیں کہ ہمیشہ انسان اپنی اجتماعی سرگذشت کے طول میں؛ مذہبی رہے ہیں۔

میں نے پہلے حصے میں یہ بھی کہا کہ ہمیشہ ماضی کے سماج، تمام نسلوں کے اور سارے دوروں میں بنا کسی رکاوٹ کے اور بغیر کسی استثناء کے مذہبی معاشرے رہے ہیں یعنی ہر سماج کی فکری اور

ثقافتی بنیاد تاریخ میں مذہب رہا ہے۔ وہ اس طرح کہ، جب کوئی مورخ چاہتا ہے کہ ثقافتوں اور تمدنوں کی تواریخ تحریر کرے یا یونیورسٹی میں پڑھانا چاہے تو وہ دیکھتا ہے کہ ایک سماج کی ثقافت اور ایک ملت کے تمدن کے بارے میں اس کی تحقیقات اپنے آپ اُس ملت کے مذہبی تمدن اور ثقافت اور مذہب کی شناخت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

کوئی کیسے ہندی ثقافت کے بارے میں بات کر سکتا ہے؛ بغیر اسکے کہ: وہ اس ثقافت کی روح، محور و بنیاد کو خاطر میں لائے بغیر اور ودانتی مذہب اور بودھی مذہب پر توجہ دیئے بغیر؟ اور کوئی کیسے قدیم چین کی ثقافت اور تمدن پر گفتگو کر سکتا ہے: بغیر اس کے کہ وہ لاوتسو(۱) اور کنفیوشس(۲) پر بات نہ کرے؟ اس عنوان سے نہیں کہ وہ ایک عظیم ترین شخصیتوں میں سے ہیں جو چینی ثقافت کی عمارت میں موئثر ہے؛ بلکہ اس عنوان سے کہ وہ اس قدیم ملت کی ثقافت کا محور اور روح ہے۔ اس بنا پر، ہم جانتے ہیں کہ انسان ہمیشہ طول تاریخ میں مذہبی رہے ہیں؛ اور تمام معاشرے نہ صرف مذہب کے معتقد تھے، بلکہ مذہب پر مبتنی رہے ہیں اور نہ صرف ان کی ثقافت، معنویت، اخلاق اور فلسفہ دینی تھا بلکہ ان کی مادی اور اقتصادی صورت، حتیٰ قدیم شہروں کی عمارتیں سو فیصدی مذہبی تھیں۔

جس طرح میں نے کہا اکثر کلاسیکل شہر اور قدیم شہر سیمبولک شہر ہیں یعنی شہر کی عمارتیں ایک معبد کے ارد گرد گھومتی ہیں اور وہ معبد شہر کا سمبل ہے۔ جس طرح آج ایفل برج(۳) پیرس کا تمثیل ہے۔ ماضی میں معبد شہر کا سیمبل رہا ہے (جس طرح ڈلفی(۴) کا معبد اتھنز(۵) شہر کا سمبل رہا ہے)۔ اس بنا پر، ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ یعنی تاریخی تحریک کی نیو ڈالنے والے، یہ تحریک ہمارے اعتقاد کے مطابق آدم سے شروع ہوئی ہے یعنی آج کے انسان کے آغاز سے لے کر خاتم تک، یعنی اسلام، خاص معنوں میں کہ جو ابراہیمی دین کی آخری تحریک یا دین اسلام کی آخری تحریک ہے۔ ان پیغمبروں نے کس جماعت کے خلاف، کس فکر کے خلاف اور کس اجتماعی واقعیت کے خلاف قیام کیا؟ اور کس صف نے اور کون سا گروہ ان (ابراہیمی ادیان) کے مقابل کھڑا ہوا، مقاومت اور

مبارزہ کیا؟ ہم جانتے ہیں: "کفر" نے؛ لیکن کفر بے مذہبی کے معنی میں نہیں ہے یعنی انبیاء اس لئے نہیں آئے کہ لوگوں کو مذہب اور مذہبی احساس کی اور بلائیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ اس لئے نہیں آئے کہ سماج اور افراد کو معتقد کریں کہ انہیں دین ـــــ یعنی دینی احساس اور اعتقاد رکھنا چاہیے، نبی اس لئے نہیں آئے تا کہ بشری معاشرے میں عبادت کی تبلیغ کریں، کیونکہ؛ عبادت، دینی احساس، غیب پر عقیدے کا احساس اور خدا یا خداؤں پر اعتقاد، یہ تو ہمیشہ سارے انسانوں میں اور تمام سماجوں میں رہا ہے۔ اگر ہم کچھ افراد کو دیکھتے ہیں جنہوں نے "زندیق" (۶) یا "دہری" (۷) کے نام سے تاریخ میں پیغمبروں کے خلاف ـــــ جبکہ اکثر ہم انبیاء کے خلاف ثبوت نہیں رکھتے ہیں ـــــ، متکلموں یا بڑے فلسفیوں یا دینی پیشواؤں کے خلاف کھڑے ہوئے ہیں اور خدا کے متعلق یا غیب کے بارے میں مذہبی احتیاج کی وجہ سے متوجہ ہوئے۔ پہلے تو یہ (زندیق اور یا دہریے) ایک دوسری شکل میں اور ایک دوسرے اعتبار میں مذہبی اعتقاد رکھتے تھے یعنی ایک قسم کی ماوراء الطبعیہ کے معتقد تھے۔

اس حقیقت کو چھوڑ کر، "دہری ہونا" ایک بہت ہی نیا مظہر ہے، یعنی یہ اُس دور سے مربوط ہے کہ جب بشر کی تاریخ میں فلسفہ اور عقلی تفکر کچھ زیادہ رشد کرتا ہے اور منفرد داستثنائی اشخاص دین کے بارے میں اور عرفانی و مذہبی اعتقاد کے متعلق شک کرتے ہیں؛ لیکن یہ دینی عدم اعتقاد تاریخ کے دھارے میں کبھی بھی وارد نہیں ہوا، ہرگز کسی سماج کی تشکیل نہیں کی اور ہرگز اپنے داغ سے دورۂ تاریخ کے چہرے پر کوئی دھبّہ نہیں لگایا۔

اُس مقدمے کی بنیاد پر جو میں نے کل رات عرض کیا، بشر کی تاریخ عبارت ہے: مختلف معاشروں کی تاریخ مختلف مرحلوں میں؛ اجتماعی، تاریخی، اقتصادی، ثقافتی اور شہری کہ یہ سب مذہبی رہے ہیں اس بنا پر، ہمارے پیغمبروں نے بشری تاریخ کے آغاز سے اپنے سماج کی ضرورت اور دردوں کو تاڑتے ہوئے اس دینی تحریک کا آغاز کیا ہے اور اسے تکامل بخشا۔ "دینِ کفر" کے خلاف، اُس کے حامیوں کے خلاف اور "سماج کے موجود مذہب" کے خلاف اپنا قدم علم کیا اور وہ طاقت جو

ہمیشہ ان انبیاء کے خلاف کھڑی ہو جاتی تھی، ان دینی تحریکوں کے پھیلنے میں کہ جن کے ہم معتقد ہیں، ان میں سد ایجاد کرتے تھے اور اپنی ساری قدرت و قوت کے ساتھ اس کو نابود یا منحرف کرنے میں جد وجہد کرتے تھے، "یہ کفر" ہی رہا ہے نہ "بے مذہبی"۔

لہٰذا مذہب، اُس معنی میں کہ جس کے ہم معتقد ہیں، بشر کی طول تاریخ میں ہمیشہ مذہب کے ساتھ بھڑ تارہا اور پیغمبروں کی رسالت یعنی ان کی جنگ کا اصلی نقطہ، "کفر" کے خلاف مبارزہ تھا، نہ کہ بے مذہبی کے خلاف گھمسان؛ کیونکہ بے مذہبی سماجوں میں وجود نہیں رکھتی ہے بلکہ جنگ اس سماج کے مذہب کے ساتھ اور اُس زمانے کے خلاف رہی ہے۔ خوش نصیبی سے یہ اصطلاح خود قرآن کی اصطلاح ہے۔

کفر کا دین اور دین اسلام:

خدا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ سے کہتا ہے: لوگوں سے، کافروں سے کہو (کافر دین رکھنے والے کے معنی میں ہے، نہ بے دین کے معنی میں؛ وہ کافر جنہوں نے اسلام کے خلاف جنگ کی، ابراہیم سلام اللہ علیہ کے ساتھ بھڑے، موسیٰ سلام اللہ علیہ اور مسیح سلام اللہ علیہ سے مبارزہ کیا۔ یہ تو دین کے محافظ تھے نہ وہ لوگ کہ جو مذہبی احساس سے فاقد تھے۔ یہ سب دین رکھتے ہیں اور ایک دین کے نام پر پیغمبروں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے تھے اور اُس دین کے آڑ میں، ایک نئے دین کے مقابل جنگ کرتے تھے۔: "قل یا ایھاالکافرون"۔ توجہ دیجیے کہ کتنی خوبصورت تکرار یہاں وجود رکھتی ہے اور کتنی باریک بینی: "لااعبد ما تعبدون" یہاں اسلام کے پیغمبر کو حکم دیا جاتا ہے کہ کافروں ـــــ یعنی اُس صف کو کہ جو پیغمبر کے خلاف اُبھرا اور جنگ کرتا ہے، اُن سے کہو" لا اعبد ما تعبدون" کہ میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس چیز کی تم (کافر) عبادت کرتے ہو؛ وہ ساری باتیں جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ اسی سورہ میں ہیں۔ اس بنا پر، یہاں مسئلہ عبادت، بے عبادتی کے خلاف

مطرح نہیں ہے بلکہ عبادت کے خلاف، عبادت کا مسئلہ مطرح ہے یعنی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ کا مقابل طرف ایسے لوگ نہیں ہیں کہ جو عبادت کے معتقد نہ ہوں، ایسے لوگ نہیں ہیں کہ جو معبود نہیں رکھتے، بلکہ وہ تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ سے زیادہ معبود رکھتے ہیں۔

مسئلہ تو معبود کے اوپر اختلاف کا ہے؛نہ کہ مذہب پر۔" لااعبد ما تعبدون"؛یعنی، میں اس چیز کی عبادت نہیں کرتا کہ جس کی تم عبادت کرتے ہو۔"و لا انتم عابدون ما اعبد"؛یعنی، تم اس چیز کی عبادت کرنے والے نہیں کہ جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ یہ وہی پہلی عبارت ہے لیکن قرآن ایک مقصود کو مختلف عبارتوں میں دہراتا ہے۔ ایسا اس لئے کہ وہ چاہتا ہے اسے ایک اصل کے عنوان سے اعلام کرے اور اس کے سارے چہروں اور وجود کو ذہنوں میں تثبیت کرے۔"و لا انا عابد ماعبدتم"؛یعنی، میں اس چیز کی عبادت کرنے والا نہیں کہ جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ پھر دہراتا ہے کہ:" و لا انتم عابدون ما اعبد"؛یعنی، تم اس چیز کی عبادت کرنے والے نہیں کہ جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔

اور آخر میں ایک شعار کے عنوان سے اعلام کرتا ہے کہ:"لکم دینکم ولی دین"؛ یعنی، تم اپنا دین رکھتے ہو، میں بھی اپنے دین کو۔ یعنی تاریخ میں دین، دین کے ساتھ جنگ کرتا ہے۔

کفر کا دین:

دینِ کفر بعد کی تاریخ پر حکومت کرنے والا؛ میں نے پہلے حصے میں کہا کہ یہ دین، یعنی توحید کا دین، "ولی دین" کا دین، ہمیشہ اُن کے دین کے ساتھ یعنی کافروں کے دین کے ساتھ جنگ میں رہا۔ اب اس مبارزے میں کون فاتح ہے؟ طول تاریخ میں فتح "اُنکے دین" کی ہی رہی ہے۔ ہم معاشروں کو دیکھیں: ہمارے انبیاء جو حق کے پیغمبروں کے عنوان سے کہ جن کے ہم معتقد ہیں، وہ

اپنے مذہب کو کسی سماج میں کامل طور پر نہیں اتار سکے۔ ایک مطلوب اور دل چاہی شکل میں کہ جس کا اقتضاء ان کا مذہب کرتا رہاہے، کہ تاریخ کے کسی دور میں اسے تحقق دیں۔

ہمیشہ یہ انبیاء ایک تحریک کی صورت میں، ایک اعتراض اور ایک جنگ کی صورت میں "موجود مذہب" کے خلاف اپنے زمانے میں ظہور کرتے تھے اور پھر جبرِ تاریخ کہ جو اُن، کافروں کے ہاتھوں میں تھا اور ان کا مذہب بھی ان کی وضع کی توجیہ کرنے والا ہے، نتیجے کے طور پر یہ سماج پر اُستوار رہے ہیں کیونکہ قدرت، اقتصادی نظر سے، اجتماعی حیثیت کی نظر سے اور سیاسی طاقت کی نظر سے ہمیشہ ان کے ہاتھوں میں رہی ہے۔ اپنے آپ، تاریخ کے آغاز سے لیکر آج تک دین حق سے یہ نہ ہو سکا کہ ان کے خلاف ایک سماج میں ایک عینی اور خارجی تحقق کے ساتھ وجود میں آئے؛ اور بشری معاشرے ہمیشہ طول تاریخ میں اُن کافروں کے دین کے تسلط اور تاثیر تلے دبے رہے ہیں۔

یہ دین کیا ہے؟ اور وہ کون لوگ ہیں؟ اس لئے، ہم اس کو کوئی نام دیں اور اس لئے کہ ہمارا بیان سادہ تر اور واضح تر ہو جائے تو ان ادیان، جن سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کہتے ہیں: "لكم دينكم ولى دين" ان کیلئے دین کے متون سے مختلف نام اور مختلف صفات اقتباس و استخراج کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن "لوگوں کا دین" مخاطب کی نظر سے اور "خدا کا دین" محور، روح اور دعوت کی جہت سے، وہ دین ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ انہیں کہتے ہیں: "ولى دين"۔ اس بنا پر، وہ دین کہ جو طول تاریخ میں ہمیشہ اعتراض کی صورت میں، موجود دین کے خلاف اور معاشروں میں اور زمانوں میں موجود دین کے مقابل مبارزے کے لئے برحق انبیاء کے وسیلے سے اعلام ہوا ہے؛ یہ وہ دین ہے کہ جسکے مخاطب "لوگ" ہیں اور جس کی طرف انہیں بلایا جاتا ہے وہ، "خدا" ہے، خدا، اُسی چہرے کے ساتھ کہ جو ان دینوں میں ہے، یعنی جو خدا کے دین اور لوگوں کے دین میں ہے اور جو توحید کے دین میں ہے۔

"مال" "لوگوں" کا ہے اور اگر ہم قرآن کی طرف رجوع کریں، پہلی ہی نگاہ کے ساتھ ہم متوجہ ہوتے ہیں کہ وہ پہلا لفظ جس سے قرآن کا آغاز ہوتا ہے وہ "اللہ" ہے اور وہ آخری لفظ جس کے ساتھ یہ کتاب تمام ہوتی ہے وہ "الناس" ہے۔ ہمیشہ اس کتاب میں مخاطب "الناس" ہے اور جس طرح میں نے پہلے حصّے میں کہا کہ یہ خدا کا دین اور لوگوں کا دین، فلسفی نظر سے ہندی وحدت وجود کے بر خلاف ـــــ خدا کے وجود اور اس کے ذات کو، جو کچھ اس کے سوا؛ کہ طبیعت اور انسان ہے، جدا کرتا ہے اور ذاتی نظر سے ایک دوسرے کے روبرو ہیں۔ لیکن مقام، جہت اور اجتماعی صف کے لحاظ سے، "اللہ" اور "ناس" ایک ہی ردیف وصف میں ہیں، وہ اس طرح کہ، وہ ساری آیتیں جو اجتماعی، اقتصادی مسائل اور بشری زندگی سے مربوط ہیں جہاں کہی بھی لفظ "اللہ" آیا ہے اس کی جگہ لفظ "الناس" کو رکھا جا سکتا ہے اور جہاں لفظ "الناس" آیا ہے اس کی جگہ بھی "اللہ" کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ مثلاً: "المال للہ" خدا، یہاں قدیم بت پرستی کے معنی میں نہیں ہے کہ خدا، خود بھی مالکیت کا محتاج ہے اور لوگوں کو چاہیے کہ مال کی کچھ مقدار، قربانی یا نذور کی صورت میں معبد کو، یا عبادت گاہ کے مالک کو دے ڈالے! یہاں پر "المال للہ"؛ یعنی، ثروت خدا کا مال ہے اور "للہ" یعنی "للناس" (لوگوں کے لئے)؛ یہ تفسیر میری نہیں کہ جسے میں، آج کی دنیا کے افکار کی تاثیر کے تحت اس شکل میں توجیہ کروں، یہ وہ تفسیر ہے جس سے ابوذر غفاری، معاویہ کے گریبان میں ہاتھ ڈالتا اور اس سے کہتا ہے: "یہ جو تم کہتے ہو "المال للہ" یہ اس لئے ہے کہ تم چاہتے ہو لوگوں کا مال کھا جاؤ، اسی لئے تم کہتے ہو کہ: "المال للہ" یعنی مال، خدا کا مال ہے، یعنی لوگوں کا مال نہیں اور میں، معاویہ بھی کہ خدا کا نمایندہ ہوں، میں اپنا مال کھاتا ہوں یا میرا دل جس کو چاہیے اُسے بخش دے اور جسے نہ چاہیے اُسے نہ دوں"! ابوذر، معاویہ کو سمجھاتا ہے کہ "المال للہ" "المال للناس" کے معنی میں ہے (مال لوگوں سے تعلق رکھتا ہے) اور "المال للہ" "المال للملاء" (مال از آن افراد چشم پر کن جامعہ است) کے معنی میں نہیں ہے۔ مال خاص افراد کا نہیں ہے بلکہ مال کا تعلق لوگوں سے ہے۔ مالکیت، خدا کا مال ہے یعنی مالکیت عوام کا مال ہے کیونکہ لوگ اور خدا ایک صف

میں ہیں: "الناس عیال الله"، لوگ خدا کا عیال ہیں اور یقیناً گھر کا سرپرست اپنے خانوادے کی صف میں قرار پاتا ہے۔

خدا کا خانوادہ، خدا کے خانوادے کے خلاف ـــ یعنی لوگ، ملاء اور مترفین اٹھ کھڑے ہوئے اور وہ لوگ کہ جو طول تاریخ میں لوگوں پر حکومت رکھتے تھے، ہمیشہ لوگوں کی ثروت و املاک کے مالک رہے ہیں اور عوام ہمیشہ اپنی اجتماعی اور اقتصادی تقدیر سے محروم رہے ہیں۔

یہ ـــ ملاء اور مترفین دین رکھتے تھے۔ ان میں کوئی بھی مادہ پرست نہیں تھا، کوئی بھی وجودی نہیں تھا اور کوئی بھی بے خدا نہیں تھا، سب خدا پرست تھے: خداؤں کے پرستار تھے۔ حتیٰ فرعون اور ان کے دین واضح طور سے مشخص اور معلوم ہیں۔ انبیاء، ان کے خلاف، ان کو اور ان کے مذہب کو ویران کرنے کے لئے؛ جو کہ شرک کا مذہب اور طاغوت پرستی کا مذہب ہے خدا پرستی کے مقابل، کے خلاف قیام کرتے ہیں۔

طبقاتی اور نسلی اختلافات کی تایید:

جس طرح میں نے پہلے حصّے میں کہا "شرک" صرف فلسفی معنی میں نہیں ہے؛ شرک یعنی "موجود وضع کی دینی توجیہ"۔ موجود وضع تاریخ میں کیا رہی ہے؟ اجتماعی شرک۔ اجتماعی شرک یعنی کیا؟ یعنی، بشری سماج میں نسلوں، گروہوں، طبقات اور خاندانوں کی تعداد کے مطابق بت رہے ہیں اور ہر ایک خانوادہ، نسل اور ملت اپنا ایک بت اور ایک مخصوص خدا رکھتا ہے۔ ان مختلف خداؤں کی عبادت یعنی اس بات پر اعتقاد کہ معاشرے، نسلیں، طبقے، گروہ اور متعدد اقتشار کہ جو سماج کو تشکیل دیتے ہیں ہر ایک نسل و طبقات اپنے مخصوص حقوق رکھتے ہیں اور ان ہی کے پاس اصالت بھی ہے۔

اس کے برعکس توحید کا دین انبیاء کے برحق کے وسیلے سے یعنی "دین خدا اور لوگوں کے دین کے پیغمبر" اس عنوان سے کوئی بھی معبود، خالق اور رب؛ خدا کے علاوہ عالم میں نہیں ہے، اسی کا اعلان

ہوتا ہے اور خدا، ایک خالق کے معنی میں ہے۔

"آفرید گاری" اور "خداوند گاری":

سارے شرک کے دین خدا کے خالق ہونے کے معتقد تھے لیکن جب خدا ہونے تک پہنچے تو بُت معتقد ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ نمرود، فرعون کی مثال کے افراد اور اُن کے جیسے "خالق ہونے" کا ادعاء نہیں کرتے تھے بلکہ وہ "لوگوں کے خدا ہونے" کا دعویٰ کرتے تھے (خداوند گاری یعنی: صاحب ہونا؛ خداوند یعنی: صاحب، مالک؛ یہ خالق کے معنی میں نہیں ہے)۔ فرعون کہتا ہے کہ: " انا ربکم الاعلیٰ" یعنی: میں تمھارا سب سے اعلیٰ رب ہوں؛ نہ یہ کہ میں تمھارا خالق ہوں۔ خلقت کے مسئلے میں، تمام شرک کے دین خدا کے معتقد تھے؛ حتیٰ یونانی دیومالا میں اور سارے شرک کے دینوں میں، خدا، خالق کے عنوان سے وجود رکھتا ہے۔ مسئلہ "لوگوں کا مالک ہونا" ہے کہ بعد میں خدا کے پہلو میں کہ جو خالق ہے، دوسرے خدا تراشے جاتے ہیں۔ کیوں؟ مختلف قسم کے تسلطوں کے لئے، بشری امت، بشری نسل اور بشری سماج کے تفرقہ کے لئے یا ایک قومی وملیّ سماج کے تفرقہ کے لئے اور اس معاشرے کی تقسیم متناقض طبقوں اور گروہوں میں: حاکم اور محکوم، مالک اور محروم۔

"مدینہ" کمال مطلوب سماج کا نمونہ:

جس طرح میں نے پہلے حصے میں کہا کہ "خدا اور لوگوں کا دین" ہمیشہ تاریخ میں ایک تحریک کی صورت دھارتے ہوئے حالتِ جنگ میں رہا ہے، نہ یہ کہ مذہبی صورت میں کہ ایک معاشرے کو اپنی اساس پر تشکیل دے۔ وہ ایک اور اکیلا سماج جس کی بشر کی تاریخ میں بات کی جا سکتی ہے، جس کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے اور پہچانا جا سکتا ہے جو مشخص اور محدود بشری سماج کے نام پر، اس دین کی بنیاد

پر، وہ بھی کسی دور میں ایک تاریخی واقعیت کی صورت میں نہیں، بلکہ اس شکل میں جو میں نے کہی؛ یعنی "سمبولک" یعنی ایک نمونے کی صورت میں —— بنایا گیا، وہ مدینے کا سماج ہے۔

اس سماج کی طول عمر یعنی مدینے کے معاشرے کی عمر اور اسکی تاریخ دس سال ہے۔ اُس بشری سماج کے مقابلے میں جسے ہم پہچانتے ہیں جس کی تاریخ پچاس ہزار سال ہے۔ جو ہمیشہ "توحید کے دین" کے نام پر یا بغیر کسی واسطے کے "دین شرک" کے نام پر، مدینے کے سماج پر دین حکومت کرتا رہا۔ حکومت کن کے لئے؟ بشر لے لئے؛ معاشروں کے لئے اور فقط ان دس برسوں میں کہ ایک شہر (مدینہ) میں اقتصادی نظام، اجتماعی نظام، افراد اور گروہوں کے رابطے، طبقوں کے رابطے، نسلوں کے روابط، اقلیت اور اکثریت ایک مذہبی اساس پر، اس نوع کے مذہب (خدا اور لوگوں کا مذہب) پر بنایا گیا؛ وہ بھی نہ یہ کہ صیقل کیا ہوا (بلکہ) نیا بنایا ہوا یعنی اس کی شکل اور اس کا قالب بنایا گیا ہے۔ کیونکہ انسان اس مکتب کی اساس پر جو ماوراء تاریخی ہے وہ اسے دس برسوں کی مدت میں نہیں بنا سکتا ہے۔ جس طرح سے ہم نے دیکھا کہ، دس برس کے عرصے میں وہ اپنی جاہلیت کی فطری اور اجتماعی تربیت کو دگرگوں نہیں کر سکے، وہ اس نظام کو تحفظ بھی نہ دے سکے اور ہم دیکھتے ہیں۔ بیس برس گذرنے کے بعد اس تحریک ——'خدا اور لوگوں کا دین'—— کے دشمن بنیاد سے ہی سب پر مسلط ہو جاتے ہیں۔

لہٰذا یہاں ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس قضاوت کی بنیاد، توجہ کی اساس، اور تاریخ کو اس زاویے سے دیکھنا، سارے فیصلے اور تمام وہ تصورات: تاریخ، مذہب، ضد مذہب، روشن فکروں، آج کے بے دینوں، ماضی کے دین داروں، تمدن اور علم کے درمیان رابطے اور مادیوں و مذہبیوں کے درمیان رابطے جو ہم رکھتے ہیں، سب کو متغیر کر دیتا ہے۔

اس ترتیب سے سترہویں، اٹھارویں اور انیسویں صدی میلادی کے روشن فکروں —— خصوصاً انیسویں صدی کے —— جنہوں نے کہا ہے: "دین ہمیشہ لوگوں کے لئے افیون رہا ہے۔" کو حق دینا چاہیے۔ وہ اُس دین کی بات کر رہے ہیں جو تاریخ میں موجود رہا ہے۔ وہ تاریخ پر حاکم، دین

کو دیکھتے ہیں، تحلیل کرتے ہیں اور اس بات کو پاتے ہیں کہ دین عوام کو بے حس کرنے میں لگا رہا ہے۔ وہ صحیح کہتے ہیں جو کہتے ہیں: " دین ایک ایسا عامل رہا ہے جو اجتماعی اور اقتصادی نظر سے لوگوں کی اکثریت پر، اقلیت کی حکومت کی دینی توجیہ کرتی ہے "۔ اور ایسا ہی تھا کہ زمینداری دور میں دین کا کام، موجودہ وضع، غلام ہونے اور مالک ہونے کی دینی توجیہ کرنا ہوتا ہے۔

مختلف معاشروں میں، ہر دور میں، ہر طبقے میں اور ہر شکل و قالب میں جب حکومت اور اقتصاد موجود رہے ہیں تو دین کا کام موجودہ وضعیت کی توجیہ ہے اُس دینی اعتقاد سے سوءاستفادہ کے وسیلے سے جو لوگوں کی فطرت میں وجود رکھتا ہے۔ اس کے نمونے بہت زیادہ ہیں؛ تاریخ کے کسی گوشے کو منتخب کیجیے، تاکہ ہم یہ دیکھیں مذہب وہاں کیا کر رہا تھا؛ مثلاً، ایران۔

مذہب، قدیم ایران میں:

ساسانی دور وہ دور ہے جس میں دین، سماج پر بلاواسطہ حکومت کرتا ہے اور حتیٰ ساسانی بادشاہ و شاہزادے موبدوں و معبدیوں کے کٹھ پتلی اور تابع محض ہیں۔ وہ معبد کے مطیع محض ہیں اور طبقات ایک دوسرے سے متناقض و جدا ہیں۔ ایک فرد حیلے اور معجزے سے نچلے طبقے سے اوپر والے طبقے میں نہیں جا سکتا اور اپنے طبقے کو بدل دے۔

ساسانی دور میں پہلا اور دوسرا طبقہ:

شاہزادے اور اشراف پہلا طبقہ ہے اور ان کے پہلو میں زرتشتی عالم —— موبد —— جو دوسرے طبقے کو تشکیل دیتے ہیں۔ ساسانی تاریخ میں، قدرت ان دو طبقوں کے درمیان، آنا جانا رکھتی ہے۔ کبھی پہلا طبقہ فاتح ہے تو کبھی دوسرا؛ لیکن دونوں "ملاء" اور "مترفین" سے ہیں کہ جو لوگوں پر حاکم ہیں، جو عوام کا استثمار کرتے ہیں اور انھیں محروم رکھتے ہیں اس فرق کے ساتھ کہ پہلا طبقہ ——

شہزادے اور اشراف ـــــ طاقت سے استثمار کرتے ہیں اور دوسرا طبقہ ـــــ موبد ـــــ دینی توجیہ کے ساتھ، عوام کے ثروت کو چھینتا ہے اور خزانوں کے ڈھیر لگاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے لوگوں کی ساری ثروت ان دو طبقوں کے ہاتھوں میں ہے اور کبھی اس کا زیادہ حصّہ زرتشی علماء کے اختیار میں ہے! جیسا کہ آلبر مالہ کے لفظوں میں: "بیس حصّوں میں سے اٹھارہ حصّے موبدوں کے ہاتھوں میں تھے": مالکیت!

تیسرا طبقہ:

صنعت گر، بیوپاری، افواج اور کسان؛ ساسانی دور کا تیسرا طبقہ ہے۔ عوام ہر افتخار سے محروم ہیں کیونکہ ان کی نسل نجس ہے! جس طرح ہندوستان میں ہے اور وہ کسی نوع کا کوئی اجتماعی حق نہیں رکھتے ہیں۔ فردوسی(۸) چوتھی صدی ہجری میں "رستم فرخ زاد"(۹) کی زبان میں کہتا ہے: جب اسلام آئے گا تو وہ سب کچھ ڈھا دے گا، نسلیں آپس میں مل جائیں گیں۔ "ایک بے ہنر غلام بادشاہ بن جائے گا" اور حکومت کے لئے "خاندان اور بڑائی کسی کام نہ آئیں گے" پھر کبھی بھی نسل اور خاندان معیار نہیں ہوگا اور ممکن ہے غلام و آزاد کیا ہوا معاشرے کی حکومت اور رہبری کو اپنے کاندھوں پر ڈھوئے۔

جو دشنام فردوسی اسلام پر دھرتا ہے وہ آج کی دنیا کا سب سے بڑا فخر اور سب سے بڑا شعار ہے! یہ طبقے، ساسانی دور میں کس طرح دین کے ذریعے توجیہ کیے جاتے ہیں؟ طاقتور ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ وہ فلسفہ نہیں جانتے، انھیں دینی توجیہ کرنا نہیں آتی، وہ ماوراء الطبیعہ کو نہیں سمجھتے اس لئے وہ طاقت سے متوسل ہوتے ہیں۔ وہ موچی زادہ ـــــ ساسانی دور میں ـــــ اسے درس نہیں پڑھنا چاہیے۔ کیوں؟ اگر وہ درس پڑھے، تو معلم بنے گا، وہ اساتیذ کے طبقے کا جزء ہوگا! اور اس طرح اُنچے طبقے کا حصّہ بنے گا۔ کیونکہ اس کا باپ موچی زادہ تھا اس لئے تاریخ کے آخر تک اُسکی نسل موچی زادہ ہی رہنی چاہیے۔ اب اگر یہ موچی زادہ نابغہ ہی کیوں نہ ہو؛ جہنم میں جائے اس کا نابغہ ہونا،

اسی 'موچی' ہونے، میں اس کو اپنا نبوغ کام میں لانا چاہیے۔

موبد، طبقاتی اختلافوں کی توجیہ کرنے والے:

ساسانی دور میں موبد دین کی اوٹ میں طبقوں کی جدائی اور متعدد ہونے کی توجیہ کرنے والے ہیں۔ ساسانی دور میں تین قسم کی آگ، بڑے خدا اہورامزدا کے نمونے اور مظاہر ہیں ہر ایک جلوہ ہے اہورامزدا کے اُن تین جلووں میں سے: ۱، "گشسب کی آگ" آذربایجان میں۔ ۲، "برزین مہر کی آگ" سبزوار کے نزدیک۔ ۳، "استخر کی آگ" پارس میں۔ یہ تین نوع کی آگ اہورامزدا کی ہیں لیکن اہورامزدا بھی طبقاتی ہے۔ اہورامزدا کی وہ آگ جو آذربایجان میں ہے، وہ بادشاہوں اور شاہزادوں کی ملکیت ہے۔ وہ آگ جو پارس میں ہے وہ موبدوں اور عالموں کی ملکیت ہے اور وہ آگ جو سبزوار کے نزدیک قلعے میں ہے ـــــ برزین مہر کی آگ ـــــ یہ کسانوں کی ملکیت ہے۔

حتیٰ زرتشت (۱۰) کے دین میں جہاں خیر اور حُسن کا خدا ایک ہو جاتا ہے، سب لوگوں کو چاہیے کہ اہورامزدا کی عبادت کریں اور اہریمن کے خلاف جنگ کریں، لیکن ایک بار پھر ہم دیکھتے ہیں اہورامزدا بشری سماج میں ایک چہرہ نہیں رکھتا اور ایک آگ نہیں رکھتا ہے۔ مقدس آگ بھی توجیہ کرتی ہے کہ: یہ تین طبقے ایک دوسرے سے جدا اور آپس میں الحاق کے قابل نہیں ہیں۔ ایک دوسرے میں قابل ادغام نہیں اور یہ آپس میں کوئی شباہت ہی نہیں رکھتے ہیں؛ یہ جدائی ان کی نظر سے اہورامزدا کے اردے کی تجلّی ہے؛ کیونکہ مقدس آذر ایک مقدس آگ ہے۔ اہورامزدا بھی ان تین طبقاتی اقنوم کو، اس جدائی کو، طبقوں کے تین ہونے کو معاشرے میں تثبیت کرتا ہے۔ اس بناپر، کسان دیکھتا ہے کہ اس کا اہورامزدا، اس کی مقدس آگ ـــــ نہ فارس مین ہے اور نہ ہی آذربایجان میں، بلکہ سبزوار کے قریب ہے اور دوسری قسم کی آگ اس سے کوئی ربط نہیں رکھتی ہیں۔

آپ ہندوستان میں دیکھیے: بُدھ(۱۱) جب چاہتا ہے کہ خداؤں کو، بڑے خدا کو، یا جس وقت وہ چاہتا ہے کہ ایک معنی کو، ایک بڑے احساس کو اور ایک مترقی فکر کو بیان کرے اور اسے صفات دے تو وہ کہتا ہے: یہ آریائی(۱۲) طریقہ ہے یا، یہ آریائی فکر ہے۔ آریائی یعنی یہ آریہ نسل کی ملکیت ہے۔ یعنی نجیب، عظیم اور اصیل ہے۔ یہ اُس پلید طبقے سے نہیں ہیں جو غیر آریہ ہونے کی وجہ سے نجس ہو گئے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں حتیٰ خداؤں کے لئے، حتیٰ سب سے زیادہ مقدس احساسوں کے لئے اور مذہبی فکروں کے لئے، صفات: نسلی صفات، طبقاتی صفات اور خاندانی صفات ہیں۔ یہ جُدائیاں ہمیشہ مذہب کے ذریعے توجیہ ہوتی رہی ہیں کیونکہ لوگ اُس وقت فلسفی ذوق کے نہیں تھے۔ اگر کبھی ارسطو(۱۳) اور افلاطون(۱۴) توجیہ کرتے ہیں کہ: "غلام" پہلے سے ہی غلام ہوتا ہے اور "مالک" ہوتا ہے اور ارسطو کہتا ہے: "شریف گھرانے خونی شرافت رکھتے ہیں اور فقط یہ اتھنز کے انہی خانوادوں میں منحصر ہے جس کی تعداد نہ کم ہوتی ہے اور نہ زیادہ"، یہی پر منکشف ہوتا ہے کہ لوگ مذہب کی تأثیر کے تحت ہیں نہ کہ فلسفہ کے، اور مذہب اسی روپ کے ساتھ موجودہ وضعیت کی توجیہ کرنے والا ہے۔

یہ ملاء کا دین تھا جو سماج کے لئے افیون بناتا رہا؛ اِن جیسے مواعظ کے ساتھ: آپ مسئولیت نہیں رکھتے ہو، کیونکہ جو کچھ ہوتا ہے وہ خدا کا ارادہ ہے۔ اپنی محرومیت سے رنج مول نہ لو، کیونکہ دوسری جگہ آپ کو اس کا صلہ دیں گے۔ لہٰذا یہاں (دنیا میں) جو کچھ "کمی اور ادھوراپن" ہے، اس کی آواز باہر مت نکالو! بعد دوسری دنیا میں اس سے دس گناہ زیادہ تمہیں دیا جائے گا۔

اس طرح سے ایک انسان کے اعتراض کو، درونی اور ذہنی انتخاب کو روکا جاتا ہے یعنی تنقید اور مسئولیت کو زوروالے ــــ اور زروالے۔ اس وقت جب ایک گروہ یا لوگ قیام کرتے تھے، تو اس کو دباتے تھے۔ مذہب کا کام یہ رہا ہے کہ اس تحریک کو، اس انتقاد کو، اس طرز تفکر کو اور اس اعتراض

کو روحوں کے اندر ان کا گلا گھونٹ دے۔ کس طرح؟ جو کچھ بھی گذرتی ہے یہ وہ ہے جسے خدا نے چاہاہے اس بناپر ہر قسم کا اعتراض، خدا کے ارادے پر اعتراض ہے۔

لہٰذا اب ہم دیکھتے ہیں یہ سب کچھ مذہبی توجیہ ہے۔ یہ سب دین ہے۔ عبادت کی اساس پر ہے۔ مذہبی اعتقاد کی بنیاد پر ہے۔ جو کچھ دین کے خلاف مبارزہ کرتا رہا، وہ دین کہ طول تاریخ میں جو مست کرنے والا، توجیہ کرنے والا اور فریب دینے والا ہے، وہ دین جو لوگوں سے مسئولیت کو سلب کرتا رہا، طبقاتی اختلافوں، نسلی اختلافوں کی توجیہ کرنے والا اور حتیٰ ان کے خداؤں کے مذاہب قومی رہے ہیں۔ یہ سب دینِ حق کے مقابل رہاہے۔

توحیدی دین کے پیغمبر:

لیکن چرواہے پیغمبروں کا دین، کاریگر پیغمبر، وہ انبیاء جنہوں نے سب سے زیادہ بشری طبقات میں رنج کو، کام کو، محروم ہونے کو اور بھوکے ہونے کو صحیح معنوں میں اپنی کھال، روح اور گوشت سے محسوس کیاہے۔ وہ پیامبر، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ کے کہنے کے مطابق ان سبھوں نے چرواہی کی ہیں۔ یہ دین ـــــ اُن پیغمبروں کا دین ـــــ ہمیشہ اس دین کے خلاف بھڑتا رہاہے، "اوپر سے نیچے تک" جو حاکم طبقے کا گڑھا ہوا اور سنوارا ہوا ہے یہ گڑھا اور سنوارنا حاکم طبقے، موبدوں کے طبقے، کشیشوں(۱۵)، جادوگروں اور مغوں کی ایک صفت رہی ہے۔

یہ دین ـــــ طاغوت پرستی کا دین، توحید مخالف دین، یعنی لوگوں کے خلاف؛ وہ دین جو تاریخ میں ہمیشہ حکومت رکھتا تھا ـــــ وہ سدا اس طبقے کے ہاتھوں میں اوزار اور ایک آلہ رہاہے جو اُس طبقے کو مسلنے، قانع کرنے اور خاموش کرنے کے لئے ہے جو کچھ بھی نہیں رکھتا تھا، لیکن اس (اونچے طبقے) کے پاس سب کچھ تھا۔ یہ دین طول تاریخ میں، قرون وسطیٰ میں دوروپ دھار لیتاہے: شرک کے دین اور طاغوت پرستی کے دین کی دُہری صورتوں میں سے، وہی پہلی شکل جو بہت صریح اور ظاہر

ہے جسے 'شرک' کہا جاتا ہے۔ جس طرح آج افریقہ میں ہے۔ افریقہ میں آج بھی دینِ شرک وجود رکھتا ہے۔ وہ دین جو قانونی طور 'چند خداؤں' کا معتقد ہے یا 'کچھ معبودوں' کا معتقد ہے۔ وہ دین جو اب خوبصورت مہروں(۱۶) کا معتقد ہے۔ وہ دین جو ہر قبیلے میں "تابو"(۱۷) کی پرستش کرتا ہے۔ ایک مقدس حیوان(۱۸) کو پوجتا ہے اور اس نوع کے دین آج بھی وجود رکھتے ہیں۔

دین طاغوت پرستی کے خلاف جنگ اور ملاء ومترفوں کے دین کے خلاف مبارزہ، اس وقت جب وہ عریان، کھلے چہرے اور فاش طور پر زندگی گذارتا ہے تو آسان ہے لیکن گت اس وقت بھیانک ہوتی ہے جب طاغوت پرستی اور شرک کا دین، توحیدی دین کے بھیس میں، تاریخ میں ملاء اور مترفوں کے ہاتھوں میں آلے کی صورت میں ظہور اور نمود کرتا ہے۔ یہ شرک کے دین کا دوسرا روپ ہے جو تاریخ میں اُبھرتا ہے۔ یہی طاغوت پرستی کا دین، دینِ توحید کے اوٹ میں، دینِ توحید کے خلاف اور طاغوت پرست، خداپرستوں کے نام پر، خداپرستی کی تحریک کے سچے رہبروں اور مجاہدوں پر مسلط ہو جاتے ہیں، اور یہ خطرناک ہے۔

اس درس "اسلام کی تاریخ" جسے میں پڑھاتا ہوں، ایک سوال جو میں ہر برس دہراتا ہوں، پہلے ہی میں کہہ چکا ہوں اور سب جانتے ہیں کہ اگر یہ سوال صحیح جواب پایے بہت ساری الجھنیں حتیٰ اجتماعی مشکلات حل ہو جائیگی، وہ یہ ہے: ایک سماج میں دو انسان جو چاہتے تھے کہ ایک دین کو ترویج کریں، ایک (امام علی سلام اللہ علیہ) شکست کھاتے ہیں اور ایک (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ) فاتح ہو جاتے ہیں۔ کیوں؟ لوگ وہی ساتویں صدی عیسوی کے عرب، دین وہی اسلام کا دین، قرآن بھی وہی، معبود وہی اللہ، زبان بھی وہی ایک زبان، وقت بھی ایک سا وقت، سماج بھی ایک ہی ہے اور یہ دونوں (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ اور علی سلام اللہ علیہ) ایک ہی چیز کی اور بُلاتے ہیں، لیکن ایک فاتح لوٹتے ہیں (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ) اور ایک (علی سلام اللہ علیہ) ہار سمیٹتے ہیں—— کیوں؟

یہ سوال جو میں نے مطرح کیا ہے، بعضوں نے ایسے جواب دیے جو بہت وحشتناک تھے، وہ کہتے تھے: وہ اس لئے کہ علی سلام اللہ علیہ سانٹ لینے والے نہیں تھے، ایسا اس وجہ سے کہ وہ باطل کے

ساتھ کبھی بھی نباہ نہیں کرنا چاہتے تھے، اس سبب سے کہ وہ ستم اور ظلم کو قبول نہیں کرسکتے تھے، ایسا اس خاطر کہ وہ قاطع تھے۔ ٹھیک ہے، یہ سب تو علی سلام اللہ علیہ کے نفع پر تمام ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے نقصان پر؛ یعنی جو فاتح ہوا ــــ خدا کی پناہ ــــ اس طرح نہیں تھے! صحیح ہے کہ یہ سب عوامل ــــ سازش کار نہ ہونا، ظلم اور ستم کو قبول نہ کرنا، علی سلام اللہ علیہ کی شکست میں مؤثر رہے۔ لیکن دوسرے عامل کی کھوج لگانا چاہیے (بنیادی عامل ایک اور ہی چیز ہے) یعنی ایک ایسے عامل کا سراغ لگانا چاہیے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے زمانے میں وجود نہیں رکھتا تھا لیکن علی سلام اللہ علیہ کے زمانے میں وجود میں آگیا ہے۔ یہ عنصر صاف اور واضح ہے: یہ عامل طاغوت پرستی، نسلی، قبیلی، خاندانی اور طبقاتی دین، بت پرستی کا مذہب، یعنی شرک، یعنی دین، ملاء اور مترفوں کے ہاتھوں میں آلہ، یعنی اس دور میں قریش؛ رہے ہیں۔

یہ مذہب (شرک کا مذہب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے زمانے میں بے حجاب، سیدھا اور واضح تھا۔ یہ ابوسفیان، ابوجہل اور ابولہب تھے جو رسماً کہتے تھے کہ یہ ہمارے بُت ہیں۔ وہ رسماً کہتے تھے کہ اس گھر (کعبہ) کی تمھیں حفاظت کرنی چاہیے، کیونکہ قریش کا بیوپار قائم رہنا چاہیے؛ قریش کی تجارت اور مالک ہونا ان بُتوں سے بندھے ہوئے ہیں۔ دنیا میں عرب قبیلوں میں ہماری عظمت، ہمارا مقام اور ہماری حیثیت اس سے وابستہ ہے کہ ہم اس گھر اور ان بُتوں کے متولی ہوں۔ یہ ہمارے "سنت الاولین" کا جزء ہے اور "اساطیر الاولین" کا حصّہ ہے۔ ہم ہرگز کسی اور چیز کو قبول نہیں کرسکتے ہیں۔ ہم اس کا دفاع کرنے والے ہیں۔ وہ ان باتوں کو سیدھے اور صاف طور کہتے تھے۔ ان سے جنگ کرنا آسان، ان پر فتح پانا ممکن اور سادہ ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی فتح کا عامل ہے۔

ہم تاریخی اور اجتماعی عوامل پر بحث کرتے ہیں؛ غیبی عوامل کی نہ مجھے اطلاع ہے اور نہ کسی اور کو۔ علی سلام اللہ علیہ انہی کے ساتھ بِھڑ رہے ہیں لیکن انہوں نے نقاب سادھا ہے۔ یہ نقاب کیا ہے؟ حجاب، 'توحید کا حجاب' ہے جو شرک کے محافظوں کے چہروں پر اوڑھا گیا ہے۔ اس وقت جب علی

سلام اللہ علیہ لڑنے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، وہ قریش کے خلاف تلوار سونتتے ہیں جو اب بُتوں کے مدافع نہیں ہیں بلکہ کعبے کا دفاع کرنے والے ہیں۔ جو اب سبعہ معلقات(۱۹) کو قرآن کے خلاف نیزوں پر نہیں اٹھاتے ہیں بلکہ قرآن کو اپنے شعار کے عنوان سے بھالے کی نوک پر اُٹھاتے ہیں۔ اس سے بھینٹ کرنا مشکل ہے۔

اب یہ شرک کیا کرتا ہے؟ جہاد پر جاتا ہے، اسلامی فتوحات کرتا ہے، محراب رکھتا ہے، شکوہ سے لپٹی ہوئی مسجدیں بناتا ہے، ان میں نماز جماعت پڑھتا ہے اور قرآن کی تلاوت کرتا ہے۔ سارے علماء اور اسلامی قاضی اس دین کے تابع ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے دین کے شعار اور مذہبی شعائر کا دفاع اور تجلیل کرنے والے؛ لیکن ان کے باطن میں وہی شرک ہے۔
اس شرک کے دین سے گُتھ جانا، یعنی وہ دشمن جو دوست کے بہروپ میں، وہ شرک جو تقویٰ کے بھیس میں اور توحید، توحید کے خلاف لڑتا ہے، یہ دشوار ہے۔ اتنا مشکل ہے کہ حتیٰ علی سلام اللہ علیہ اس کے مقابلے میں ہار جاتے ہے۔

تمام سماجوں کی تاریخ میں اور اجتماعی اصلاحوں میں، ہم ایسے رہبروں کو دیکھتے ہیں جو دشمن کے خلاف ـــــ وہ بیگانے جو سیدھے اور بنا ڈھکے چُھپے ان کی قوم کی تقدیر پر مسلط تھے ـــــ قیام کرتے ہیں اور آسانی سے ان کو باہر کُھدیڑتے ہیں۔

ان رہبروں اور مجاہدوں کے قیام نے سادگی سے بیگانے دشمنوں اور اجنبی نسلوں کو ان کی ساری قدرت، عظمت اور دنیوی شکوہ کے ساتھ موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ لیکن جب ان سورماوں ـــــ وہ سورما کہ جنہوں نے دنیا کی سب سے بڑی فوج کو شکست دی ہے ـــــ نے چاہا کہ اُن سے گھمسان کریں جو بھیتر سے ایک ملت اور سماج کے لئے تحیر اور بدنصیبی کا عامل بنا ہے، لیکن یہ جیالے شکست کھاتے ہیں۔ وہ اس حریف کو باہر نہیں کُھدیڑ سکے اور یہ ایک دو یا دس نہیں ہیں۔ رادھا کرشنن(۲۰) کے لفظوں میں: "جب طاقت اور فریب تقویٰ کا لباس اوڑھتا ہے، تاریخ کا سب سے بڑا افاجعہ اور تاریخ پر مسلط سب سے بڑی قدرت اُبھرتی ہے"۔

اس بناپر، جب ہم شرک کے مذہب کی بات کرتے ہیں، تو ہمیں یہ نہیں آنکنا چاہیے کہ مذہبِ شرک سے مقصود وہ مذہب ہے جو کچھ چیزوں کی پرستش کی شکل میں یا حیوان یا پیڑوں یا مجسمے کی عبادت کی صورت میں ماضی میں اظہار وجود کرتا تھا اور بعد میں جب ابراہیم سلام اللہ علیہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے اسے پچھاڑا تو شرک کا مذہب محو ہو گیا تھا، نہیں؛ بلکہ شرک کا دین عبارت ہے: لوگوں کا دینی احساس جسکی ڈور ملاء اور مترفون کے ہاتھوں میں ہے؛ وہ ملاء اور مترف جو ہمیشہ سماج پر حکومت رکھتے ہیں۔

لہٰذا، سترھویں اور اٹھارویں صدی عیسوی کے روشن فکروں اور جدید عصر کے روشن فکروں کہ جنہوں نے اس دین کے خلاف جنگ اور مخالفت کی۔ اس دین کے خلاف لڑے جو لوگوں کے تناؤ اور بدنصیبی کا عامل، اسارت، ذلت، ضعف اور لوگوں کے بے مسئولیت ہونے کو تثبیت کرتا ہے۔ اور جو بشری سماج میں نسلی، طبقاتی اور گروہی تبعیض کا محافظ رہا ہے۔ ان کی قضاوت ——روشن فکروں کی—— یہ رہی ہے کہ، یہ دین ترقی، آزادی اور بشری مُساوات کا مخالف ہے، انہوں نے سچ کہا تھا۔ مذہب کو چھوڑنا اور عظیم کامیابیوں تک پہنچنا یہ ایک ایسا تجربہ ہوا جو یورپی روشن فکروں کی قضاوت کے سچ اور صحیح ہونے کی تائید کرتا ہے۔

یہ آزادی چاہنے والے روشن فکر جو انسانوں کی آزادی اور نجات کے لئے ان خرافتوں سے، اس ذلت کے عاملوں سے اور اس مست کرنے والے زہر سے جو دین کے نام پر انہوں نے بنایا تھا اور ہمیشہ بناتے رہتے ہیں (تاریخ میں تمام انبیاء نے اُن کے مقابلے میں شکست کھائی، اور یہ صرف انبیاء ہی تھے جو تاریخ میں اِن کے خلاف لڑتے ہیں نہ کہ کوئی اور)۔ وہ اس کے مقابل جنگ کرتے تھے، ان کا اشتباہ یعنی روشن فکروں کا، ایک ایسا اشتباہ تھا جو ہم دین رکھنے والوں کے ذہن میں بھی ہے۔

روشن فکروں کا اشتباہ:

روشن فکر کا اشتباہ یہ رہا ہے کہ وہ سب کچھ جو تاریخ میں دین اور عبادت کے نام پر، معبد کے نام پر، جہاد کے نام پر، مقدس جنگ کے نام پر، صلیبی جہاد اور اسلامی جہاد کے نام پر، وہ جو دیکھتا ہے اسے تاریخ اور مذہب سمجھتا ہے۔ ہم بھی ان ہی کے جیسے تصورات رکھتے تھے اور رکھتے ہیں۔

جس طرح میں نے کہا "اسلام" ایک انقلابی نظر رکھتا ہے، ان میں سے وہ کسی ایک کو بھی قبول نہیں کرتا ہے اور معتقد ہے کہ وہ حق کا دین اور وہ "ولیّ دین" آنے والے زمانے میں قیام کرے گا۔ ان میں سے کسی کو بھی کہ جس نے شرک کی صورت میں یا توحید کی صورت میں لوگوں پر—— مشرق اور مغرب کی تاریخ میں —— حکومت کی ہے، کو قبول نہیں کرتا ہے۔ اور ان سب کو وہی شرک کا مذہب سمجھتا ہے۔ لیکن وہ مذہب جو ہمارے پیغمبروں نے ان کو مسلنے اور کچلنے کے لئے اپنی بعثت کا آغاز کیا، وہ، وہ مذہب ہے جس میں لوگوں کی مسئولیت، روشن فکر انسان کی مسئولیت اور آزادی چاہنے والوں کی مسئولیت، اس دین کے پیغمبروں کی مسئولیت کی طرح ہے اور اُس کو 'جاری رکھنے' کی مسئولیت ہے۔ "علماء امتی افضل من انبیاء بنی اسرائیل" (میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے پیغمبروں سے افضل ہیں۔) یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کہتے ہیں، یعنی: وہ کام جو ہمارے انبیاء کرتے تھے، ایسا کام ہے جو خاتمیت کے بعد علماء (علماء، روشن فکروں کے معنی میں ہے) کو چاہیے کہ اسے جاری رکھیں۔

علماء اور روشن فکروں کی رسالت:

علماء کو کیا جاری رکھنا چاہیے؟ "دین" کے خلاف جنگ کو، کیونکہ دین کے قیام اور احیاء کے لئے۔ یہ ہے رسالت۔ اُس دین کا استقرار جو تاریخ میں قائم نہیں ہوا۔ لوگوں (ناس) کو چاہیے اس قدر رشد سمیٹیں، آگاہ اور جاگتا مذہبی وجدان پیدا کریں، توحید کے معنی کو سمجھیں اس طرح سمجھیں کہ،

توحید اور طاغوت پرستی میں فرق ہے اور یہ متناقض ہیں۔ شرک کے دین کو توحید کے جھوٹے چہرے میں تشخص دیں اور اس ریا کے پردے کو ـــــ اُس کے ہر روپ میں ـــــ ساری دنیا میں پھاڑ دیں۔ تا کہ لوگ اس مذہب تک پہنچ جائیں جو، نہ جہل سے جنا ہے ـــــ جس طرح مادی ہیں اور وہ سچ ہی کہتے ہیں، اور نہ وہ ڈر سے پیدا ہوا ہو ـــــ جیسا کہ مادی کہتے ہیں، وہ بھی سچ ہی بولتے ہیں!

قرآن میں کئی بار ان لوگوں پر حملہ ہوتا ہے جو ڈر کی وجہ سے، اس وقت جب سمندر میں ایک طوفان کے ساتھ سامنا ہوتا ہے اور اُنکی کشتی ٹوٹ جاتی ہے۔ نقصان سے مڈ بھیڑ ہوتی ہے اور ایک حادثے کی زد میں آ جاتے ہیں؛ اس حالت میں روتے ہیں، وہ خدا پر ایمان لے آتے ہیں اور بچ نکلنے کے بعد خدا ان کی یاد سے اتر جاتا ہے۔ یہ مذہب، وہ مذہب ہے جو ڈر کا جنا ہے۔ یہ وہی مذہب ہے جس کے متعلق انیسویں صدی عیسویں کے مادیون کہتے ہیں کہ یہ طبیعی عوامل کے خوف سے پیدا ہوا ہے وہ تو سچ ہی کہتے ہیں! اس سے پہلے کہ مادہ پرست یہ کہیں دین ڈر سے پھوٹا ہے، قرآن ان پر (خوف سے متولد مذہب کے پیروں پر)، عبادت سے بیوپار کرنے والوں پر، ڈرپوکوں کی عبادت پر۔ اس پرستش پر اور ان طبقوں سے جنے دین پر؛ حملہ کرتا ہے۔ کن طبقوں نے اس دین کو تراشا ہے؟ وہ لوگ جو کہتے ہیں اگر یہاں تم ایک لقمہ بھی نہیں رکھتے، تمہارے پاس روٹی نہیں، تم کھانا نہیں رکھتے تو صبر کرو وہاں تمہیں جنتّی مایدے دیئے جائیں گے! یہ دین طبقات کا جنا ہوا، گڑھا ہوا اور سنوارا ہوا ہے۔ حتیٰ یہی دین ہے جو وبا کی صورت لئے سرایت کرتا ہے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کے دین میں، حق کے دین میں اور حق کے ادیان میں۔

یہ علی سلام اللہ علیہ ہیں جو ان ادیان کو ـــــ شرک کے دین کو ـــــ کہتے ہیں، "تجارت کا دین"، "ڈرنے والوں کا دین"۔ پھر وہ کون سی عبادت اس دین ـــــ "ولی دین" ـــــ کی عبادت ہے؟ "آزادوں کا دین"، "عبادۃ الاحرار" یعنی (عبادت) وہ دین جو آزادی سے، متعالی ضرورت سے، عشق سے، عدالت چاہنے سے، ضرورت سے، تحریکوں سے، انسانی کمال مطلوبوں سے، مساوات سے، قسط کے استقرار سے، بشری دنیا میں عدالت کے قیام سے (لوگوں کا قسط کے ساتھ

قیام پیدا کرنا) اور ساری بھدّیوں اور پلیدیوں کے نابود ہونے سے جنا ہے۔ یہ دین اُس "دین" کے خلاف ہے۔

لیکن یہ دین جو فقر کا بیلی تھا، یہ دین فقر کی توجیہ کرنے والا تھا، یہ سچ ہے کہ یہ دین تاریخ میں اسارت اور غلامی کا محافظ اور توجیہ کرنے والا تھا۔ جو ملاء، مترفوں، زر والوں اور زور والوں کے فائدے کے لئے لوگوں کو چپ سادھنے میں، فریب میں اور مست ہونے میں رکھتا تھا۔ وہ دین جو جتاتا ہے: "خدا کو اِس کی بھوک اور اُس کے پیٹ بھرے ہونے سے، اِس کی روٹی اور اُس کی روغنی روٹی سے کوئی تعلق نہیں ہے"، یہ ایک ایسا دین ہے جو سارے مذہبی احساسوں کو ایک 'بے حسی' کے مادے کی صورت میں یا سماج سے انزواطلبی اور گوشہ گیری کے عامل کے روپ میں اور یا مادیات کے متعلق منفی نظریات کی شکل میں گڑھتا ہے، وہ بھی اس کے فائدے کے لئے جو چاہتا ہے کہ سارے مادیات کو خود نگل جائے۔

یہ دین جو ہمیشہ اجتماعی قدرت کو، اجتماعی تسلط کو، انسانی مسئولیت کو ان کے تقدیر میں، توقعات کی، انسانوں کی جسمانی اور غریزی ضرورتوں کو؛ زور والوں اور زر والوں کے نفع کے لئے، نفی کرتا ہے اور اس وضعیت کو جو ہمیشہ تاریخ میں ستمگرانہ تھی دینی توجیہ کے ذریعے سے، مقتدر عامل کے وسیلے سے اور طاقتور معنوی مذہب سے اس حالت کی محافظت کرتا تھا۔ یہ دین جو بھوک، محرومیت اور دُکھ کو، خدا کے راضی ہونے کی علامت اور تکامل کے لئے تیاری کی علامت مانتا تھا؛ یہ وہ دین ہے جو انسانوں میں سے ہر ایک کی، ایک انوکھی ماوراءالطبیعی بہی کھولتا تھا تاکہ اس وسیلے سے لوگوں کا اجتماع، تنہا رہنے اور گوشہ گیری میں تبدیل ہو جائے۔ یہ وہ دین ہے جس کے اپنے مذہبی عامل، اُس سماج میں جہاں لوگ کو زندہ رہنے کا حق، خوش رہنے کا حق، مالکیت کا حق اور حکومت کرنے کا حق رکھتے ہیں، ان سب حقوق کو وہ اپنے آپ کے لئے جھوٹے وعدوں اور انحرافی مذہبی توجیہوں کے پردے میں اپنے نفع کے لئے ہتھیاتے ہیں —— ان سب کے برعکس —— قرآن کسی بھی جگہ دشمن کو اس لحن کے ساتھ رسوا نہیں کرتا ہے، صرف یہاں، جب بلعم باعور کی بات ہوتی

ہے یعنی وہ اُن لوگوں کی نشانی اور سمبل ہے جو بشری طول تاریخ میں انسانوں کے فطری احساس اور ایمان کی تحریف کرتا ہے، حاکم اور فائدہ سمیٹنے والے ٹولے کے نفع میں؛ یہ بلعم باعور جو خود بھی اس جتھے کا ساجھا ہے، یعنی "ناس" کے ضرر پر یعنی لوگ۔ قرآن جب یہاں تک پہنچتا ہے تو وہ عبارت اور ظاہری، معمول اور رائج ادب کا ملاحظہ بھی نہیں کرتا ہے؛ وہ کہتا ہے: "فمثلہ کمثل الکلب" یعنی: ان کی مثال کتّے کی مثل ہے۔ یہ لحن کیا جتا تا ہے؟ یہ اس بات کی حکایت کرتا ہے کہ یہی تو وہ تھے جو ملاء اور مترفوں کی، ستم اور ظلم کی، استثمار اور ذلت کی، اِن تبعیضوں کی، اس جہل کی، بشری طول تاریخ میں استعدادوں کا گلا دبانے کی، ان ٹھہراؤں کی، ان جمودوں کی، بڑے سورماؤں کو مٹانے کی اور عظیم روحوں کو گاڑنے کی انسانی تاریخ میں محافظت اور توثیق کرتے رہے ہیں۔ یہی تو وہ تھے جنہوں نے دین حق کے اور انبیاء کے جتن، جہاد اور جنگوں کے سارے نتیجوں کو تاریخ میں بانجھ کر کے رکھ دیا۔ عبارتوں کی یہ طرز، شرک کے مذہب کی ملعون رسالت کے متعلق شدید نفرت کی، تاریخ میں حکایت کرتی ہے۔

نتیجہ لینے کے عنوان سے میں چاہتا ہوں یہ عرض کروں: (ہو سکتا ہے ان باتوں کو ماننا آپ کے لئے بھاری ہو اور شاید آنے والی فرصتوں میں اس کے متعلق اور زیادہ بات کروں؛ ایسا اس لئے کہ ہمارے اتنے سارے فیصلے اور ہمارا نظریہ تاریخ، مذہب اور ساری چیزوں کے متعلق بدل جائے گا۔) وہ رسالت جو روشن فکروں نے اور یورپ کے آزادی چاہنے والوں نے کلیسا کے خلاف جنگ اور قرون وسطیٰ کے مذہب کے خلاف مبارزے کی صورت میں اپنے کاندھوں پر ڈھوئی ہے اور یورپ کے ہزار برس کے 'ٹھہراو' سے 'انحرافی دین' اور مذہبی انحراف' یعنی شرک کے دین اور عیسیٰ سلام اللہ علیہ کے لبادے میں طاغوت پرستی کے خلاف جنگ کے ذریعے، انھوں نے نجات دے دی، اُن کی یہ رسالت (یورپ کے روشن فکروں اور آزادی چاہنے والوں کی) وہی رسالت ہے جو تاریخ میں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ اپنے کاندھوں پر رکھتے تھے (لیکن میں یہ نہیں کہنا چاہتا ہوں کہ جو انھوں نے سمجھا تھا وہ صحیح سمجھا ہے)، یہ تو وہی رسالت ہے، ہمارے انبیاء ہمیشہ ہر دور میں دینِ

تحجّر، دینِ انحراف، عوام مخالف دین، اور انسانی حقوق کے مخالف دین؛ کے خلاف لڑتے رہے۔ بتوں کو ڈھانے سے؛ شرک کے دین کی ساری علامتوں کو، توجیہ کرنے والے دین کو اور مست کرنے والے دین کو مسلتے رہتے تھے۔ یہ وہ رسالت ہے جو حق کے دین پر چلنے والے سارے انسانوں کے کاندھوں پر ہے، تاریخ میں اور آنے والے زمانے میں ہوگی۔ جب میں کہتا ہوں دینِ شرک کی تاریخ پر حکومت تھی اور ہمارے پیغمبروں نے تاریخی دین، جو کہ شرک کا دین ہے، کے خلاف ایک تحریک کا آغاز کیا۔ اب یہ ہماری مسئولیت ہے کہ اس تحریک کا ہم کھوج لگائیں۔ اس بنا پر، یہ ایک مترقی تحریک اور ایک ایسی تحریک ہے جو بشریت کی تاریخ کے راستے کو بدل دینے کے لئے ہے جو آج تک، دین کے بہروپ میں ملاء، مترفوں اور ان کے ہدایت کاروں کے ہاتھوں میں رہی ہے۔ ہماری رسالت، ماضی کی اور لاٹنا نہیں اور یہ ایک قدامت پرستی کی گت نہیں رکھتی ہے؛ ہماری رسالت حق کے پیامبروں کی تحریک کو جاری رکھنا ہے۔ وہ پیغمبر جو لوگوں اور عوام (ناس) کے دل سے اُبھرے ہیں؛ اُمی پیغمبر ــــ یعنی اُمتّی ــــ وہ انبیاء جو ملاء اور مترفوں سے بندھے ہوئے پیغمبروں کے خلاف تھے اور اُن پیغمبروں کے مقابل جو سب کے سب یا شہزادوں میں سے، یا جاگیرداروں اور زمینداروں میں سے، یا دونوں طرف شہزادوں میں سے اور یا ایک طرف دہقانوں میں سے تھے، یعنی کسی استثناء کے بغیر ایک سمت سے جاگیردار تھے اور دوسری طرف سے شاہزادے تھے۔

'دین' سے، جو کچھ یورپ کے مادی روشن فکروں نے نہیں سمجھا (جس طرح ہم بھی نہیں سمجھے ہیں) وہ یہ ہے: ان کی وہ صحیح قضاوت جو وہ شرک کے دین اور تاریخی دین کے متعلق رکھتے تھے، وہ صحیح فیصلہ جو وہ اشرافی دینوں، اشرافیت سے لٹکے ہوئے دین، ہر چیز رکھنے والے طبقے کے دین اور محروم کرنے والے دین، کے متعلق رکھتے تھے، انھوں نے اسی قضاوت کو دین کی طرف منسوب کرکے ــــ اس کے کلی معنوں میں ــــ اسے عام کردیا اور یہ غلط ہے کیونکہ تاریخ کی نظر میں، ایک دین، وجود نہیں رکھتا، بلکہ تاریخ میں 'ادیان' وجود رکھتے ہیں۔ یہ ٹھیک گورویچ (۲۱) کی

بات ہے جو کہتا ہے: "ایک کُلی سماج وجود نہیں رکھتا، بلکہ بہت سارے سماج وجود رکھتے ہیں"۔
اس بنا پر ہر معاشرے کے بارے میں الگ الگ تحقیق اور قضاوت کرنی چاہیے۔ تاریخ میں دو مذہب وجود رکھتے تھے۔ دو گروہ اور دو صفیں تاریخ میں موجود رہی ہیں: ستم ڈھانے والوں کی صف، وہ صف جو ترقی، حقیقت، عدالت، لوگوں کی آزادی، آگے بڑھنے اور تمدن کی بیری ہے۔ یہ صف حرص کو پورا کرنے، انحرافی غریزوں کو قرار پہنچانے، لوگوں پر مسلط ہونے اور دوسروں کو محروم کرنے کے لئے تھی۔ اور یہ مذہب تھا، نہ کہ کفر اور بے مذہبی۔ دوسری صف میں حق کا دین ہے اور یہ حق کا دین مقابل صف کو روندنے کے لئے آیا ہے۔

اگر میں نے ان روشن فکروں کے فیصلے کی تائید کی ہے لیکن میں یہ دیکھتا ہوں کہاان کی قضاوت کتنی ظالمانہ اور انصاف سے کھوکھلی ہے۔ بدھ کا دین، زرتشت کا دین، مزدک(۲۲) کا دین، مانی(۲۳) کا دین اور یونانی مذاہب جو اپنے آپ اونچے طبقے، اونچی نسل کے طبقے، مالک اور جاگیر دار کے طبقے، سب 'کچھ رکھنے' والے طبقے اور تسلط رکھنے والے طبقے میں جنے ہوئے، ان سے بندھے ہوئے اور انہی کے پالے ہوئے تھے۔ وہ فیصلہ جو ہم ان ادیان کے بارے میں کرتے ہیں اور یا وہ قضاوت جو ہم ان راج پاٹوں اور ان حاکم سلسلوں کے متعلق رکھتے ہیں جنہوں نے دین کے نام پر دنیا میں حکومت کی اور وہ قضاوت جو ہم نے ان سے درک کی ـــــ جیسا کہ ہم نے صحیح تاڑا ہے ـــــ ہم اسے ان دونوں صفوں یعنی: شرک کے دین اور حق کے دین، پر عام کریں۔ اس کے بعد چرواہے پیغمبروں کے دین کو، وہ دین جو سارے انسانوں سے زیادہ دکھ اور غریبی سے واقف ہے۔ خدا کے چُنے ہوئے گروہ کا دین اور تاریخ میں سچے و حقیقی منتخب انسانوں کا، وہ دین جس کی نیو ڈالنے والے اور اعلام کرنے والے یہ ہیں۔ یہ لوگ ہر کسی سے پہلے، یعنی تاریخ میں صرف یہی تھے جنہوں نے اُس دین سے جہاد اور مُبارزہ کیا ہے۔ خود یہ ـــــ دینِ حق کے پیرو اور اس مکتب کے پیرو، رہبر اور آگے بڑھانے والے ان سب کو انہی دینی حکومتوں کے ذریعے زندانوں میں زہر دے دیا گیا اور مار دیے

گئے۔ اِن انبیاء کے سچے مطیع، اُن دینوں کے وسیلے سے اور ان حکومتوں کے سبب جو اُن ادیان کے نام پر لوگوں پہ مسلط تھے، ان کا سُتھراو کیا گیا۔

اگر ہم ان کو اُسی قضاوت میں ساجھا مانے دو صفوں کو جو تاریخ میں ایک دوسرے کے نقیض تھے اور تاریخ کا دائمی جہاد اس دین کا جہاد رہا ہے (وہ دین جو کہتا ہے:" لکم دینکم ولی دین")، اگر دونوں کو ایک ہی چھڑی سے ہانکے اور دونوں کے متعلق ایک ہی قضاوت کریں؛ تو یہ فیصلہ غیر علمی، روشن فکری کے خلاف، حتیٰ اخلاق کی ضد اور محسوس حقیقت کا اُلٹ ہے۔

اے روشن فکرو کہاں ہو؟ کہاں ہو؟ کسی چیز کے بارے میں صرف ترجمے سے قضاوت نہیں کی جا سکتی۔ ایک یورپی نے کس طرح اپنے دین کے متعلق نیاؤ کیا؟ تین سو برس تک لڑا، کام کیا، مطالعہ کیا اور تحقیق کی تب کہی جا کر اس نے سمجھا کہ مسیحیت نے یورپ پر کون سی قیامتیں توڑی ہیں۔ ٹھیک ہے اس نے ترجمہ کیا، ہمارے پاس یہی ترجمہ ہے اور ہم اس کو نقل کرتے ہیں۔ اس کو روشن فکر نہیں کہتے۔ اسے کہتے ہیں ترجمی روشن فکر؛ ترجمی روشن فکر تو روشن فکر نہیں ہوا کرتا۔ ہم آگے، اسلامی سماجوں میں روشن فکر بننے کے مرحلوں کو واضح کریں گے۔

وہ دین جو تاریخ میں تراشا گیا، اس لئے کہ بھوکا ہمیشہ بھوکا رہے تا کہ اس کی روٹی کوئی اور اُچک لے (اگر میں کہو یہ دین فقر کا محافظ اور بے حس کرنے والا ہے، تو یہ سچ ہی ہے تاریخ میں اس کا کام ہی یہی رہا ہے) وہ دین جو افلاس کا پالنے والا اور افلاس کو وجود میں لانے والا ہے، کس طرح اُسی قضاوت کو جو ہم اُس دین کے متعلق، صحیح طور کرتے ہیں، اسی فیصلے کو اُس دین کے بارے میں کرتے ہیں جو ابوذر کو بناتا ہے؟ ابوذر، وہ مقدس چہرہ جو اسلام کا تمام اور کمال ہے، وہ، جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کا تربیت کیا ہوا ہے۔ وہ ابوذر جو کچھ نہیں رکھتا تھا ـــــ نہ رنگ، نہ پونجی، نہ پڑھائی اور نہ ثقافتی تربیت ـــــ کسی چیز کی تأثیر کے تلے نہیں تھے، ترجمہ بھی نہیں تھے، ایک انسانی روح جو ہر چیز سے خالی تھی، جو کچھ وہ رکھتا تھا اسی کارخانے، اس کتاب اور اس مکتب کا بنا ہوا تھا۔ ابوذر کہتا ہے:"عجبت لمن لا یجد قوتاً فی بیتہ، کیف لا یخرج علی الناس شاہراً

سیفہ ": " مجھے اچنبھا ہوتا ہے اُس سے جو گھر میں کھانا نہیں پاتا، وہ کس طرح سے تلوار لے کر لوگوں پر چڑھائی نہیں کرتا ہے؟ "۔

میں، جب یورپ میں ایسی باتیں کر لیتا اور کہنے والے کا نام نہیں لیا تا تھا تو کچھ لوگ خیال کرتے تھے کہ یہ پرودن(۲۴) نے کہا ہے۔ کیونکہ وہی سب سے زیادہ کٹھور باتیں بولتا ہے۔ میں نے کہا پرودن کی اتنی جرئت کہاں کہ وہ اس قدر سخت بولے اور یا وہ آ نکلتے تھے کہ یہ دوستووسکی(۲۵) کی بات ہے۔ دوستووسکی کہتا ہے: " اگر کہی کوئی قتل ہوتا ہے، جو لوگ اس قتل میں ساجھے نہیں تھے ان کے ہاتھ بھی لتھڑے ہوئے ہیں "۔ وہ سچ ہی تو کہتا ہے۔ اچھا دیکھیے ابوذر کیا کہتا ہے: کہتا ہے (یہ ایک مذہب ہے جو بول رہا ہے، نہ کہ ایک مذہبی انسان؛ ابوذر مجسم مذہب ہے کچھ اور نہیں، وہ مختلف مکاتب کے تاثیر کے تلے نہیں آیا، اس کا تعلق فرانس کے انقلاب کے بعد سے نہیں بلکہ وہ غفّار قبیلے سے مربوط ہے) " مجھے تعجب ہوتا ہے اس انسان پر جو اپنے گھر میں ایک بھی روٹی نہیں پاتا ـــــ روٹی نہیں رکھتا ـــــ اس وقت بھی وہ عریان تلوار لے کر لوگوں پر دھاوا نہیں بولتا "۔ وہ یہ نہیں کہتا جو فقر کا باعث بنا ہے اُسی کے خلاف تلوار اُٹھاؤ، یہ نہیں کہتا جو اس کا استثمار کرتا ہے اُسی کے مقابل، یہ بھی نہیں کہتا جو جھتّا استثمار کرتا ہے اُسی کے مخالف، بلکہ کہتا ہے لوگوں کے خلاف، سب کے خلاف، کیوں؟ کیونکہ جو کوئی بھی اس سماج میں رہتا ہے پھر اگر وہ ان میں سے بھی نہ ہو جو استثمار کرتے ہیں لیکن جب وہ مجھ سے لاتعلق ہے اور وہ ایک ایسے معاشرے میں زندگی گذارتا ہے جہاں فقر وجود رکھتا ہے، اس لئے وہ میرے افلاس اور بھوک کا مسئول ہے۔ کتنا ذمے دار ہے؟ اتنا ہی جتنا دشمن اور مہدورالدم ہے۔

یعنی استثماری کے ساتھ جس نے بھوک وجود میں لائی، سے ملا ہے یعنی سارے انسان سیدھے میرے بھوکے ہونے کے مسئول ہیں۔ اور اس سے بھی زیادہ سُتھرے الفاظ میں، ابوذر اقوام متحدہ کی طرح نہیں کہتا: " وہ سماج جو دباؤ تلے ہو اور جس کا حق غضب کیا گیا ہو وہ حق رکھتا ہے کہ اپنے حق کے احقاق کے لئے قیام کرے "۔ ابوذر یہ نہیں کہتا کہ تم یہ کام کرنے کا حق رکھتے ہو، وہ

یہ نہیں کہتا، تم تو بھوکے ہو اب ان کے خلاف قیام کرو جنہوں نے تمہیں بھوکا رکھ دیا؛ نہیں، یہ نہیں جتلاتا ہے۔ حتیٰ یہ بھی نہیں بولتا تم حق رکھتے ہو کہ سب لوگوں کے مقابل تلوار اٹھاؤ؛ نہیں، یہ بھی نہیں، بلکہ کہتاہے: "مجھے حیرت ہے کہ تم تلوار کیوں نہیں سونت لیتے"۔ اب اس وقت کیا یہ بے انصافی، مطلق جہل، ہنسانے والا اور ساتھ ہی رلانے والا نہیں ہے؟ اس دین کے متعلق جو لوگوں اور لوگوں کی زندگی کے بارے میں ایسی بصیرت رکھتا ہے ــــ بے انصافی سے ــــ ہم اُسی کسوٹی کے ساتھ قضاوت کریں جس طرح ہم اُس دین کے نسبت فیصلہ کرتے ہیں جو بھوک کی تثبیت کرتا ہے، ــــ کیا ہم حق کے ساتھ ــــ قضاوت کرتے ہیں؟

حواشی

پہلا لیکچر

۱۔ الیکسیس کارل (Alexis Carrel) ایک فرانسیسی ماہر حیاتیات، ماہر سماجیات اور جراح تھے۔ جو ۱۸۷۳ عیسوی میں پیدا ہوئے اور ان کا انتقال ۱۹۴۴ میلادی کو ہوا۔ کارل شعبۂ ادویات (Medicine) میں نوبل انعام یافتہ ہیں۔ ان کے آثار میں سے معروف "انسان، ایک ناشناختہ موجود" (۱۹۳۵) اور "زندگی پر روشنیاں" (۱۹۵۲) ہیں۔

۲۔ سمبل (Symbol) وہ چیز یا لفظ یا شکل جو کسی تعلق اور ربط کی اساس پر کسی اور شئ کو ظاہر کرے اور انسانی عقل کو صورت سے اٹھا کر معنی کی سمت ارجاع دے۔ یعنی جو ظاہری اور سطحی مفہوم رکھنے کے علاوہ ایک باطنی اور عمیق معنی بھی رکھتا ہو۔

۳۔ ایمیل دورخیم (۱۸۵۸-۱۹۱۷) انیسویں صدی کے اوائل اور بیسویں صدی عیسوی کا فرانسی ماہر سماجیات تھا۔ بعض لوگوں کے نظریے کے مطابق وہ علمِ عمرانیات کا موسس ہے۔ اس کے آثار میں سے اہم ترین "سماجیاتی روش کے اصول" (۱۸۹۵) اور "مذہبی زندگی کی بنیادی صورتیں" (۱۹۱۵) ہیں۔

۴۔ لفظ 'سامری' کی اصل عبرانی زبان میں 'شمری' ہے۔ جب عبرانی زبان کے الفاظ عربی زبان میں آتے ہیں تو 'شین' کا لفظ 'سین' سے بدل جاتا ہے۔ قرآن میں یہ نام کئی بار آیا ہے۔ یہ وہی شخص ہے کہ جس نے موسیٰ سلام اللہ علیہ کی غیبت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بچھڑے کو تراشا پھر جس کے ذریعے بنی اسرائیل کو توحید کے راستے سے اتار کر شرک کی راہ پر لے گیا۔

۵۔ بلعم باعور بنی اسرائیل کے علماء میں سے تھا۔

٦۔ موریس میٹرلنک ۱۸٦۲ عیسوی میں پیدا ہوئے اور ۱۹۴۹ میلادی کو ان کا ارتحال واقع ہوا۔ ان کا تعلق بیلجیم سے رہا ہے۔ یہ ایک فرانسیسی زبان کے شاعر اور نثر نگاروں میں سے گذرے ہیں۔ انہیں ۱۹۱۱ عیسوی کو ادب کے شعبے میں نوبل انعام سے نوزا گیا۔ دنیا کے بڑے دانشمندوں، مفکروں اور ادب شناسوں کو میٹرلنک کی شخصیت اور آثار نے کافی متاثر کیا ہے۔

۷۔ آرتھر شوپنہاور (۱۷۸۸-۱۸٦۰) جرمنی کا ایک قنوطی فلسفی تھا۔ اس کو زندگی میں دکھ، مصیبت، لوٹ، غارت کے سوا کچھ نہ نظر آیا۔ جس کی وجہ اس کے زمانے کا سیاسی نظام رہا ہے۔ اس نے اپنے نظریات کو اپنی کتاب "دنیا ارادے اعر فکر کی شکل میں" (The World as Will and Idea) میں بیان کیا گیا ہے۔

۸۔ فریسی لفظ عبرانی زبان کے لفظ 'پروشیم' سے لیا گیا ہے۔ جس کے معنی ہیں 'خدا کا گروہ'۔ یہ یہودیوں کا ایک سیاسی، اجتماعی اور فکری جماعت ہے۔ جو عیسیٰ سلام اللہ علیہ کے مخالف تھے اور ان سے بھڑتے تھے۔

۹۔ ساسانی سلطنت ۲۲۴ عیسوی سے لے کر ۶۵۲ عیسوی تک پھیلی ہوئی تھی اور یہ چوتھی ایرانی سلطنت تھی۔ اس حکومتی سلسلے کا موئسس اردشیر اول تھا۔ ساسانی حکومت ۶۵۲ میلادی میں، عرب مسلمانوں کے ہاتھوں ختم ہوئی اور اس کا آخری بادشاہ یزدگرد سوم تھا۔

۱۰۔ موبد زرتشی مذہب میں اور فردیسنا کے آیئن میں مذہبی انسان کو کہتے ہیں۔ پرانے متون اور اوستا میں موبد کو مغ یا مغان بھی کہتے ہیں۔

۱۱۔ مغ قدیم ایران میں دینی فرقے کا ایک رکن تھا۔

۱۲۔ خاخام یا حاخام یا حکم یہ ایک یہودی اصطلاح ہے اور اس کے معنی 'حکیم' کے ہیں۔ یہ ایک ایسا عنوان ہے جس کا تعلق مذہبی راہنمائی سے ہے اور اس کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جو تورات کا عالم اور استاد ہو۔ اس اصطلاح کا انطباق عام طور پر اس فرد پر بھی ہے جو یہودی نہ ہو۔

۱۳۔ مُرجئہ ایک ایسا فرقہ ہے جو بنی امیہ کے زمانے میں تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ایمان کا تعلق دل سے ہے، عمل میں اس کا کوئی دخل نہیں ہے اگر چاہو تو عمل اگر چاہو تو نہ کرو یعنی اگر وہ گناہ کرتے ہیں حتیٰ بڑے گناہ ان کے ارتکاب سے ایمان پر کوئی منفی اثر نہیں پڑے گا۔ یہ فرقہ کہتا تھا جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے وہ خدا کی مرضی اور ارادہ الٰہی ہے۔ جو ظلم سیاسی نظاموں اور دوسرے مختلف نظاموں کے ذریعے ہوتا ہے اس کے خلاف آواز بھی نہیں نکالنی چاہیے کیونکہ اگر کوئی ایسا کرے تو عہ خدا کے ارادے کے خلاف قدعلم کرتا ہے۔ یہ فرقہ انسان کی کسی طرح کی بھی مسئولیت کا قائل نہیں تھا۔

۱۴۔ فرانسیس بیکن (۱۵۶۱-۱۶۲۶) ایک انگریزی وکیل، ایسیٹ (مضمون نگار)، سیاستدان اور فلسفی تھا۔ اس کی شہرت کا باعث اس کے فلسفیانہ اور ادبی تحریریں ہیں۔ بیکن نے سترھویں صدی عیسوی کی سائنسی فکر کو بہت متاثر کیا۔ اس نے اپنے پیچھے مختلف علوم میں انگریزی اور لاطینی زبانوں میں متعدد آثار چھوڑے ہیں۔

۱۵۔ اس لفظ 'ملاء' کا مصدر ملاءٌ ہے اور اس کے معنی 'بھر دینے کے ہیں'۔ عام طور سے اس گروہ کو کہتے ہیں جو اپنے لیے ایک مخصوص خیال اور عقیدہ اختیار کرتا ہے اور اس کی جھتہ بندی اور شکوہ ظاہری آنکھوں کو پُر کر دیتی ہے۔ قرآن میں یہ لفظ غالباً انسانوں کے اس گروہ کے لئے استعمال ہوا ہے جو خود پرست ہو، ظاہری طور سے مہذب ہو لیکن اندر سے گندہ ہو اور محیط کے مختلف زاویوں کو اپنے وجود سے پُر کرنے والا ہو۔ سماج کا وہ طبقہ جس کے پاس اقتدار ہو اور جن کے دباؤ اور طاقت کے تلے لوگ کچلے جائیں۔

۱۶۔ مترف اس انسان کو کہتے ہیں جسے مادی نعمتوں، سہولتوں، آرام اور عیش نے غافل، مست، مغرور کر دیا ہو۔ جس کا نہ سماج سے کوئی تعلق ہے اور نہ خدا سے کوئی رابطہ۔ کیونکہ مرضہ حالی نے اُسے معاشرے، دین حق اور خدا سے کاٹ کر رکھ دیا اور اس کو صرف اپنی خواہشات اور اغراض سمیٹے میں لگا دیا ہے۔ جو بغاوت پر تلا ہوا ہو نظام حق کے خلاف۔

۱۷۔ قیصر روم کے بادشاہ کا لقب ہے، یہ معرب ہے سیزر کا۔

۱۸۔ کسریٰ ایران کے بادشاہ کا لقب ہے، یہ معرب ہے خسرو کا۔

دوسرا لیکچر

ا۔لاوزے چھٹی صدی قبل مسیح میں چین میں پیدا ہوا۔ سچائی کے ذریعے تقویٰ کے اعلیٰ مدارج تک پہنچا۔ عرفان اور سیر وسلوک کی راہ طے کرنا اور انسان کا قدرتی نظام میں سادہ اور انفرادی زندگی گذارنے کی دعوت دینا لائو تسہ کے قوانین میں سے ہیں۔ تاوازم کی طرح اُسی نے ڈالی ہے۔ وہ بشریت کا سب سے بڑا مقصد "تاؤ" کو مانتا ہے۔ تاؤ یعنی سچائی کے اعلیٰ مدارج تک پہنچنا۔

۲۔ کنفیوشس (۴۷۸-۵۷۰ قبل مسیح) چین کا معروف عالم، حکیم اور فلسفی تھا جنہیں چینی فلسفے کا مؤسس مانا جاتا ہے۔ کنفیوشس ازم میں اخلاقی قوانین کی پیروی، انسانی زندگی کو سنوارنے پر توجہ، تعلقات ترک کرنے سے احتراز اور اجتماعی فرائض کو پورا کرنے پر تاکید کی گئی ہے۔
کنفیوشس کے افکار اور اخلاقی تعلیمات نے چین، جاپان، کوریا اور مشرق بعید پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔

۳۔ ایفل ٹاور فرانس کی راجدھانی پیرس میں دریائے سین کے کنارے واقع لوہے سے بنے ایک بلند قامت مینار کا نام ہے۔ اس برگ کا نام اس کے معمار گستاف ایفل کے نام پر رکھا گیا ہے۔ ۱۹ویں صدی عیسوی کے اواخر میں اس کی بنیاد رکھی گئی تھی۔

۴۔ڈلفیاقدیم یونان کے ایک شہر کا نام ہے جہاں لوگ جا کر خداؤں سے مستقبل کے باری میں رائے اور اطلاع چاہتے تھے۔

۵۔اتھنزیونان کا ایک تاریخی شہر اور راجدھانی ہے جو حکمت اور علم کا مرکز رہاہے۔

۶۔زندیق معرب ہے زندیک یازندیکیہ کا جس کے معنی خدا کو نہ ماننے والے کے ہیں۔اس لفظ کا اطلاق مسلمان اس شخص پر کرتے ہیں جس کے نظریات،افکار اور اعمال اسلام کے ساتھ تعارض رکھتے ہوں۔

۷۔دہری اس شخص کو کہتے ہیں جو دنیا کو ازلی،ابدی اور خالق سے بے نیاز جانتا ہے۔جو زمانے کو ہی سب کچھ سمجھتا ہے۔یہ عنوان اُس انسان پر بھی منطبق ہوتا ہے جو خدا کا منکر ہو۔

۸۔فردوسی فارسی ادب میں سب سے بڑا رزمیہ مثنوی لکھنے والا شاعر ہے۔وہ صوبۂ طوس میں طابران کے قریب باژ کے گاؤں میں ۹۳۵ عیسوی کو پیدا ہوئے۔حکیم ابوالقاسم حٙن فردوسی کا نظم کیاہوا"شاہنامہ" تقریباً ۶۰۰۰۰ ابیات پر مشتمل ہے۔اس حماسہ شاعر کی وفات ۱۹۲۰ میلادی کو واقع ہوئی۔

۹۔رستم فرخزاد ہرمز ساسانیوں کے زمانے میں تمام ایرانی افواج کا سپہسالار تھا۔یہ فردوسی کے "شاہنامہ" کا ہیرو ہے جو دسویں صدی عیسوی میں لکھا گیا ہے۔

۱۰۔ زرتشت یا زردشت ۶۶۰ قبل مسیح میں ایران کے ایک مغربی شہر "ری" میں پیدا ہوئے۔ یہ مجوسیوں کے قوم سے تھا اور یہی زرتشی دین کا مؤسس ہے۔ احتمال دیا جاتا ہے کہ اس کا دین آسمانی تھا یعنی اس کے مذہب میں توحید کی طرف دی گئی ہے۔ لیکن مرور زمانہ سے اس مذہب میں تحریفات ہوتی رہیں اور شنویت یعنی دو خداؤں اہریمن و اہورامزدا کے تصور نے اس دین میں نفوذ کیا۔ "اوستا" زرتشی مذہب کی دینی کتاب ہے جو پانچ حصوں یسنا، ویسپرد، وندیداد، یشت اور ضمیمہ اوستا پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ "دینکرت" اور "بندھشن" اس دین کی مذہبی کتابیں ہیں۔ اوستا کی تفسیر زند اور پازند کہلاتی ہیں۔

۱۱. گوتم بدھ کا اصلی نام 'ساکھیہ منی' تھا۔ وہ نیپال کے جنوب 'کپل وستو' نامی مقام پر ۵۶۸ قبل مسیح ایک راجہ کے گھر میں پیدا ہوا۔ بدھ سنسکرت کا لفظ ہے جس کے معنی بیدار اور روشن ضمیر کے ہیں۔ بدھ نے تقریباً ۸۴ برس کی عمر پائی۔ ہندومت کی اصلاح کیلئے ہندوستان میں بہت سارے مصلح اور تحریکیں ابھری ہیں جن میں سے ایک گوتم بھی رہا ہے۔

۱۲۔ آریہ کے معنی پاک اور نجیب، اسکی ضد پاریہ ہے جس کا مفہوم یعنی نجس ہے۔ ایک قدیم قوم ہے جس کی نسل کے لوگ دنیا کے مختلف حصوں میں مقیم ہوئے جیسے پاکستان، ھند، ایران اور یورپ۔

۱۳. ارسطو ۳۸۴ قبل مسیح میں مقدونیہ کے علاقے میں پیدا ہوئے۔ اس نے طب، حیاتیات، منطق، جمالیات، سائنس اور فلسفے کے علوم پر معتدد آثار چھوڑے ہیں۔ اس نے ۵۳ برس کی عمر میں اپنے "مدینۃ الحکمت" کی بنیاد ڈال۔ ارسطو نے ۳۲۲ قبل مسیح میں انتقال کیا۔

۱۴۔افلاطون ایک عظیم یونانی فلسفی گذرا ہے۔ جس کے افکار کے اثرات دنیائے تفکر پر چھائے ہوئے ہیں۔۴۲۸ قبل مسیح میں پیدا ہوئے۔ فلسفہ، منطق، فلکیات، مابعد الطبیات، طبعیات اور ریاضی میں بہت بڑے کارنامے کئے ہیں۔ اس کے شاگردوں میں سب سے معروف ارسطو ہے۔ افلاطون نے جن علام اور موضوعات پر تحقیق کی وہ بعد کے آنے والوں کے لئے فکری ارتقاء اور تکامل کا سبب بنے۔۳۴۸ قبل مسیح میں افلاطون کا ارتحال واقع ہوا۔

۱۵. کشیش؛روحانی باپ یاراہب ایک ایسانام ہے جو مسیحی علماء کے لئے ہے۔ رومی کیتھولک کلیسا میں اس شخص کو کشیش کہتے ہیں جس نے تقریباً چھ سال تک اسقف سے دینی تعلیم حاصل کی ہو۔ اس تعلیمی دورے کے بعد، کشیش تبلیغ، موعظہ اور دینی امور کو انجام دینے کی اجازت حاصل کرلیتا ہے۔

۱۶۔مہرہ پرستی(Fetishism) کو قدیم اور ابتدائی سماجوں سے مذہب کے معنی میں بھی اور جادو کے عنوان سے بھی قبول کیا جاتا ہے۔یعنی ایک ایسی چیز یا چیزیں جو لکڑی، لوہے اور پتھر جیسے مادوں سے بنی ہوتی اور سجائی ہوئی ہوتی ہیں۔ کچھ لوگ اور قبائل ان کی عبادت کرتے ہیں کیونکہ ان کا اعتقاد ہے کہ یہ اشیاء اسرار آلود طاقتوں سے بھری ہوتی ہیں۔ وہ رازآگین قوت جو ان چیزوں کے ساتھ منسوب کی جاتی ہے اسے "مانا"(Mana) کہتے ہیں۔ ان کی پرستش کرنے والوں کے عقیدے کے مطابق جس شخص کو یہ قدرت حاصل ہو وہ اپنی بدقسمتی کو ٹال سکتا اور خوش قسمتی کو اپنے لئے لا سکتا ہے۔ یہ اصطلاح صرف مادی اور مصنوعی اشیاء تک ہی محدود نہیں بلکہ یہ ان سے تجاوز کرتی ہے۔ خلاصے کے طور پر فٹیش ازم یعنی ان مادی چیزوں کی پوجا جو اسرار آمیز طاقت رکھتی ہیں۔

۱۷۔ تابو (Taboo) یعنی وہ مذہبی، ثقافتی اور اجتماعی رسوم اور دساتیر جو اس مذہب اور ثقافت کے معتقد اشخاص کو کسی خاص چیز، الفاظ اور امور کے متعلق سوچنے یا انھیں استعمال کرنے کو تحریم کرتے ہیں۔ کیونکہ تابو پرستی کا اعتقاد رکھنے والوں کے نزدیک ان اشیاء کا ذکر بعض لوگوں کے لئے اور مختلف سماجوں میں جرم اور موذی تصور کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض قدیم قبائل اور جدید مترقی معاشروں میں ان مخصوص امور کو سوچنا یا ان پر عمل کرنا ممنوع ہے۔

۱۸۔ توتم پرستی (Totemism)، یہاں ایک مقدس حیوان کو پوجنے سے مراد شرک کی ایک قسم، توتم پرستی ہے۔

۱۹۔ سبعہ معلقات سے مراد وہ سات قصیدے ہیں جو عرب کے مختلف شاعروں نے نظم کئے تھے۔ جن کو کعبے کی دیوار پر لٹکایا گیا تھا۔ کعبہ پر آویزاں کرنے سے یہ تاثر دیا جاتا تھا کہ وہ قصائد اُس دور کے سب سے زیادہ فصیح اور بلیغ تھے۔ ان منظومات کو سنہری سیاہی سے رقم کیا گیا تھا اسی لئے ان کو ذہبیات بھی کہا جاتا ہے۔

۲۰۔ ڈاکٹر سروے پلی رادھا کرشنن ۱۸۸۸ عیسوی میں پیدا ہوئے۔ یہ بیسوی صدی کے ہندوستانی مفکر، ماہر تعلیم، فلسفی اور آزاد ہند کے دوسرے صدر تھے۔ ان کی وفات ۱۹۷۵ عیسوی میں رونما ہوئی۔

۲۱۔ جورجس گوروچ ۱۸۹۴ میلادی کو پیدا ہوئے اور ۱۹۶۵ میں پیرس میں فوت ہوئے۔ وہ ماہر سماجیات اور قانون کا عالم تھا۔

۲۲۔ مزدک ایک ایرانی مذہب کا بانی تھا۔ اسے دین مانی کے پیرووں میں سے بھی مانا جاتا ہے۔

۲۳۔مانی نقاشی کا ایک ماہر فن تھا۔ اس نے ایک ایرانی مذہب "دین مانی" کے نام سے طرح ڈالی۔ اس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے اپنی مصوری کو معجزے کی شکل پیش کیا۔ کتاب "ارژنگ" اس کی طرف منسوب ہے۔

۲۴۔ پیر جوزف پرودھون فرانس کا ایک ماہر سماجیات، فلسفی، اقتصاددان اور سیاسی فلسفے کے متفکروں میں سے تھا۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے خود کو انارکسٹ بتلایا۔ اس نے اپنے انار کی نظریات کو سیاست، اقتصاد اور فلسفے میں وسعت دی ہے۔ پرودھون ۱۸۰۹عیسوی میں متولد اور ۱۸۶۵ عیسوی کو فوت ہوا۔

۲۵۔فیودر میخائیلووچ دوستوئیسکی روس کے معروف فلسفی اور ناول نگار ۱۸۲۱ عیسوی متولد ہوئے۔ اسکی تخلیقات اور افکار نے دنیا کے بڑے ادباء اور دونشوروں کو متاثر کیا ہے۔ اس کی مشہور ناولوں میں سے چچا کا خواب، ذلتوں کے مارے لوگ، جرم اور سزا جیسی کتابیں ہیں۔ ادبی دنیا کی کلیدی شخصیت اور ناول نگاری کے ہنر کو تکامل دینے والے اس مصنف کا ارتحال ۱۸۸۱میلادی میں ہوا۔

میں نہیں جانتا ہوں کہ میرے مرنے کے بعد کیا ہوگا؟

میں نہیں جاننا چاہتا ہوں کہ کمہار میرے بدن کی مٹی سے،

کیا بنائے گا؟

لیکن میں بہت مشتاق ہوں،

کہ وہ میرے گلے کی خاک سے ایک سیٹی بنا دے۔

میرا یہ گلا سیٹی ہو ایک گستاخ اور کھیل میں مست بچے کے ہاتھ

میں

اور وہ مسلسل اور بنا رُکے،

اپنی باغی اور گرم سانسوں کو میرے گلے پر سختی سے دباتا رہے،

اور سوتے ہوؤں کی نیند کو حرام کر دے۔

اس طرح توڑ دے مجھ میں،

میری اس موت سے لپٹی خاموشی کو ...